دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی **شعور و آگہی** لاہور

اکتوبر تا دسمبر 2010ء   شوال تا ذی الحج ۱۴۳۱ھ   جلد نمبر 02 شمارہ نمبر 04   رجسٹرڈ نمبر S-370

www.rahimia.org

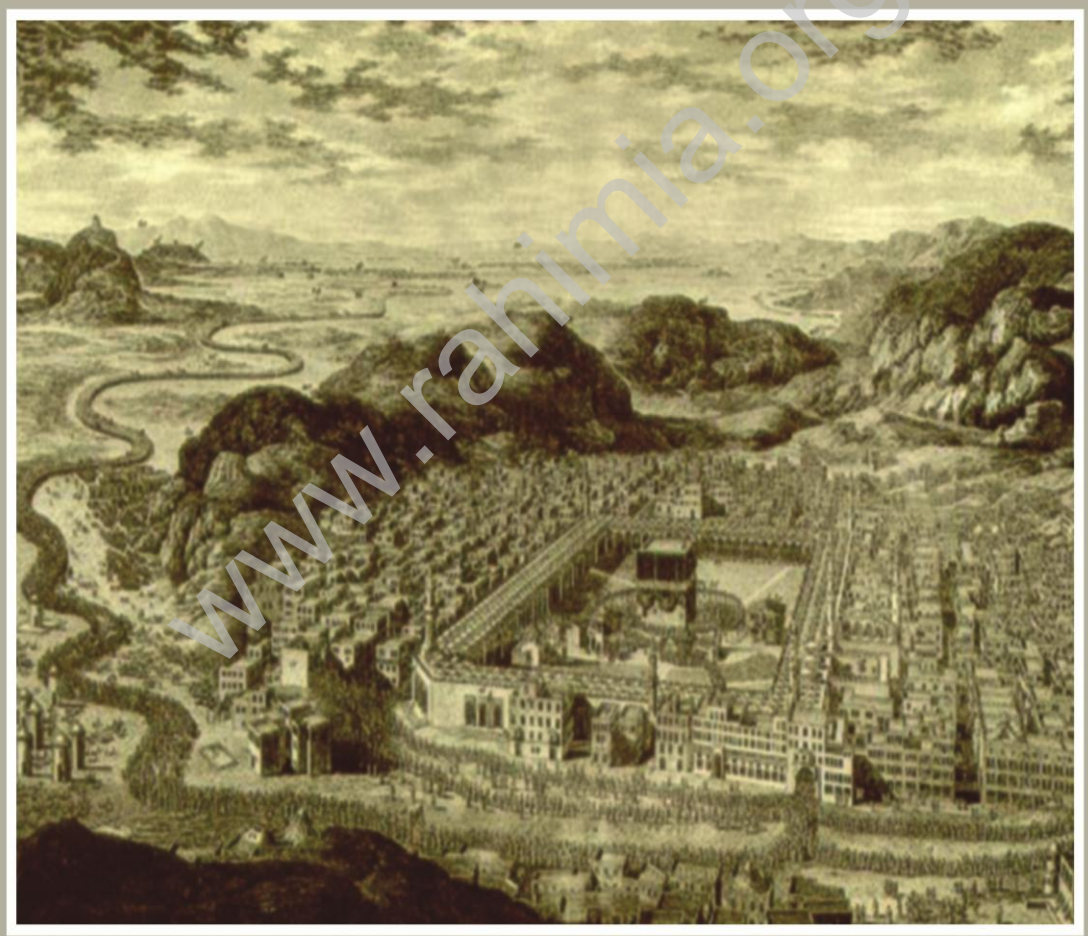

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

طبقاتی طرزِ معاشرت کی خرابیاں

''جس معاشرے کے بعض افراد کا طرزِ حیات بہت اونچا ہو کہ ان کے دسترخوان پر قسم قسم کے نفیس کھانے، ان کے جسموں پر متنوع قیمتی و فاخرانہ لباس اور ان کی رہائش کے لیے قیمتی فرنیچر سے مرصع شان دار بنگلے اور کوٹھیاں ہوں اور دیگر افراد کا سماجی نظام اتنا پست ہو کہ ان کے پاس جسمانی ضرورت کے مطابق خوراک و لباس اور خانگی ضرورت کے مطابق مکانات نہ ہوں تو ایسے معاشرے میں طرح طرح کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مفاسد جنم لیتے ہیں۔ اور اس کو کھوکھلا و بودا بنا کر تباہی و بربادی سے ہم کنار کر دیتے ہیں۔ کیوں کہ فاسد اور طبقاتی سماج میں پسماندہ افراد، جن کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اپنی ضروریاتِ زندگی کے معیار کو بہتر بنانے کے لیے اپنے پست طرزِ معاشرت کو بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس میں جائز طریقوں سے آگے بڑھنے کے صالح نظام نہ ہونے کی بنا پر خوشامد، وعدہ خلافی، جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی، چوری و ڈاکہ زنی اور عصمت فروشی جیسی بدعنوانیوں اور ناجائز طریقوں کو اختیار کر لیتے ہیں۔''

(طبقاتی سماج (قرآن وسنت کے تناظر میں)، صفحہ 33)

www.rahimia.org

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی، تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی
شعور و آگہی
لاہور

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۰ء / شوال تا ذی الحج ۱۴۳۱ھ | جلد نمبر ۰۲ شمارہ نمبر ۰٤ | رجسٹرڈ نمبر S-۳۷۰

زیرِ سرپرستی
حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

مجلس ادارت
صدرِ مجلس: پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن
مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

مشاورت
مفتی عبدالمتین نعمانی	بورے والا	پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل	سعودی عرب
مفتی عبدالقدیر	چشتیاں	پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی کراچی	
مفتی عبدالغنی قاسمی	لاہور	پروفیسر حسین احمد علوی	چشتیاں
مفتی محمد مختار حسن	نوشہرہ	پروفیسر ڈاکٹر ابرار محی الدین	بہاولپور
سید سیف الاسلام خالد	راولپنڈی	پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر	اسلام آباد
مولانا عبداللہ عابد سندھی	شکارپور	پروفیسر محمد سعید اختر	اسلام آباد
مولانا محمد ناصر	جھنگ	پروفیسر ڈاکٹر محمد جہانگیر	لاہور

قیمت فی شمارہ: 100 روپے | سالانہ زرِتعاون: ٤٠٠ روپے

شعبہ مطبوعات
ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئنز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

Ph: ۰۰۹۲-۴۲-۳۶۳۰۷۷۱٤ / ۳٦۳٦۹۰۸۹ ,Web:www.rahimia.org

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی''، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئنز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

www.rahimia.org

اس شمارے میں

اداریہ:	حرفِ اول	مدیر اعلیٰ	03
شخصیات:	سرگزشتِ حیات (٤) امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ	ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد	05
سماجیات:	طبقاتی سماج (قرآن و سنت کے تناظر میں)	ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن	29
سیر صحابہؓ:	تعامل صحابہ رضی اللہ عنہ کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر ابرار محی الدین	53
سفر نامۂ حج:	حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے سفرِ حرمین شریفین کے حالات و واقعات	مولانا محمد عاشق پھلتیؒ ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد	79
علمی لیکچر:	سماجی تشکیل کے حوالے سے عالم اسلام کو درپیش مسائل اور ان کا حل جی سی یونیورسٹی لاہور میں منعقدہ "نیشنل کانفرنس" سے مدیر اعلیٰ کا ایک علمی تحقیقی لیکچر		97
شعوری تقاضے:	شعور کی اہمیت اور تقاضے	محمد یوسف ولی اللّٰہی	109
آرا و تأثرات:	گرامی نامہ		119

تعارف مقالہ نگار

- **مفتی عبدالخالق آزاد**

  ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

- **ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن**

  پروفیسر موسیٰ پاک شہید چیئر، بہاؤالدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان

- **ڈاکٹر ابرار محی الدین**

  شعبۂ علومِ اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

- **مولانا محمد عاشق پھلتیؒ**

  خلیفہ اجل اور مصاحبِ خصوصی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ العزیز

- **محمد یوسف ولی اللّٰہی**

  لائبریرین، گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی، فیصل آباد

www.rahimia.org

اداریہ

حرفِ اول

انسانی معاشرے اسی وقت ترقی کرتے ہیں، جب ان کا سماجی ارتقا ہموار طریقے سے آگے بڑھے۔ سماجی زندگی میں زیادہ اونچ نیچ نہ ہو۔ عدل و مساوات کا دور دورہ ہو۔ معاشروں کا ارتقا اس وقت رُک جاتا ہے، جب کہ ان میں طبقات پیدا ہو جائیں۔ بندۂ مزدور کے اوقات تلخ ہو جائیں۔ اور سرمایہ دار و جاگیردار انسانیت دشمن رویے اختیار کرلیں۔ اور اپنی تعیش پسندانہ زندگی کی بقا کے لیے طبقاتی بالادستی کو ضروری سمجھنے لگ جائیں۔ ایسے حالات معاشروں کے لیے خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کے لیے وبالِ جان بن جاتے ہیں، بلکہ بحیثیتِ مجموعی انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کی تباہی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

قرآن و سنت پر مبنی نبویؐ تعلیمات، انسانی معاشروں کی ترقی کے بنیادی قوانین و ضوابط کی نشان دہی کرتی ہیں۔ وہ انسانی سماجی ارتقا کے بنیادی دستورُ العمل کا تعین اور اس کی تشریح کرتی ہیں۔ انسانی سماج کی دُنیوی اور اُخروی فلاح و بہبود ہی ان تعلیمات کا اساسی موضوع رہا ہے۔ گزشتہ چودہ سو سالہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ قرآنی تعلیمات نے انسانی معاشروں کو سنوارنے اور ان کے ارتقا میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

اسی حوالے سے اس شمارے کا ایک اہم مقالہ ''سماجی طبقات (قرآن و سنت کے تناظر میں)'' کے عنوان سے ہے۔ اس مقالے میں انسانی معاشروں میں پیدا ہونے والے سماجی طبقاتی نظام کا جائزہ، قرآن و سنت کے تناظر میں لیا گیا ہے۔ بلاشبہ قرآنی تعلیمات طبقاتی نظام کے خلاف واضح شعور دیتی ہیں۔ اور نبویؐ تعلیمات نے طبقاتی سماج کے خاتمے کے لیے بنیادی قانون سازی کی ہے۔ اور اس حوالے سے اَخلاقی تعلیم و تربیت کا بھی اہتمام کیا ہے۔ سرمایہ پرستانہ رویوں کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ طبقاتی بالادستی اور تعیش پسندانہ سوچ کو ختم کیا ہے۔ سماجی ناہمواریوں اور غربت و اَفلاس پیدا کرنے والے نظام کو غلط قرار دیا ہے۔ اور اس کے بجائے معاشروں کے تمام افراد کے حقوق کی ادائیگی کے لیے عدل و انصاف کا فکر و نظریہ اور اس کے عملی نظام کی نشان دہی کی ہے۔

سماجی تشکیل نو کے تناظر میں اس شمارے کا ایک اور اہم مقالہ ''تعامل صحابہؓ کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے ہے۔ اس مقالے میں صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار کے عملی پہلوؤں کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ قرآن و سنت نے اگر معاشروں کی تشکیل کے بنیادی قوانین اور اساسی فکر و فلسفے کی نشان دہی کی ہے، تو خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ پر مشتمل دین اسلام کی پہلی انقلابی جماعت نے قرآن و سنت کی اساس پر پہلا قومی و بین الاقوامی نظام تشکیل دیا ہے۔

www.rahimia.org

اس تناظر میں معاشروں کی درستگی کے لیے صحابہ کرامؓ کا تعامل اور عملی کردار بڑی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ پر مشتمل دین کی اس پہلی انقلابی جماعت کے مجموعی کردار اور ان کے تعامل کو نظرانداز کر دیا جائے تو قرآن و سنت کے ماننے کا کوئی قرینہ نظر نہیں آتا۔ قرآن و سنت کی صحیح تفہیم کے لیے صحابہ کرامؓ کے انقلابی کردار اور تعامل کو بنیادی قانونی حیثیت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت کی حتمی تشریح کے لیے صحابہ کرامؓ کا اجماع بنیادی قانونی حیثیت رکھتا ہے۔

ہر خطے میں صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے والے متبعین یعنی عدل و انصاف قائم کرنے والے حکمرانوں، صوفیائے ربانیین اور علمائے محققین نے اپنے اپنے ممالک میں سماجی نظامِ حیات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ خاص طور پر برعظیم پاک و ہند میں اس خطے کی سیاسی، معاشی اور سماجی صورت گری میں ان حضرات کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنی سرگزشتِ حیات کے ضمن میں برعظیم کی تاریخ میں ایسا عظیم الشان کردار ادا کرنے والی شخصیات کا تعارف کرایا ہے۔ چناں چہ اس شمارے کا پہلا مقالہ حضرت سندھیؒ کی اسی سرگزشت کے حوالے سے انہی تاریخی شخصیات کی واقعی ترتیب کی نشان دہی کرتا ہے۔

اس شمارے کا چوتھا مقالہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سفرِ حرمین شریفین کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ شاہ صاحبؒ کے فکر و فلسفے اور جہد و کردار نے برصغیر پاک و ہند کی درست سماجی تشکیل اور اس کی جدوجہدِ آزادی میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور شاہ صاحبؒ کی حیاتِ مبارکہ کے علمی اور فکری سفر میں حرمین شریفین کے اس تاریخی سفر کا بڑا رول ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے اس تاریخی سفر سے تقریباً سات سال قبل بیس سال کی عمر میں بھی حج کے ارادے سے ایک سفر کیا تھا۔ ان دونوں اسفار نے شاہ صاحبؒ کی زندگی میں انقلابی تبدیلی پیدا کی ہے۔ انقلابی افکار کی نمو و ارتقا اور دین کی جامعیت کے بنیادی تصورات، انہی اسفار کے نتیجے میں آپ کے دل و دماغ پر اَن مٹ نقوش کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ یہ سفرنامۂ حج اس حوالے سے بہت سے پہلوؤں کی نشان دہی کرتا ہے۔

موجودہ دور میں عالمِ اسلام کو درپیش سماجی مسائل کیا ہیں؟ اور ان کا کیا حل ہونا چاہیے؟ اس حوالے سے لاہور کے ایک مؤقر عصری ادارے ''جی سی یونی ورسٹی، لاہور'' میں منعقد ایک نیشنل کانفرنس میں ''سماجی تشکیل کے حوالے سے عالم اسلام کو درپیش مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان سے ایک علمی لیکچر دیا گیا تھا۔ جسے اس شمارے میں ضروری نوک پلک درست کرنے اور عنوانات قائم کرنے کے بعد پیش کیا جا رہا ہے۔

آخر میں ایک مقالہ ''شعور کی اہمیت اور اس کے تقاضے'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں ''شعور'' کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ ''آرا و تأثرات'' کے حوالے سے بھی ایک خط پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ یہ شمارہ بھی حسبِ سابق دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ (مدیرِ اعلیٰ)

www.rahimia.org

شخصیات

سرگزشتِ حیات

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

''تحديث العبد الضعيف بنعمة ربه اللطيف''

(عربی خودنوشت سوانح کا اُردو ترجمہ)

ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

(4)

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ایک عظیم الشان کتاب ''التمهيد لتعريف آئمة التجديد'' تحریر فرمائی ہے۔ یہ کتاب آپ نے 1930ء میں مکۃ المکرمہ میں لکھی تھی۔ جس میں آپ نے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ سے لے کر اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ تک اس دور کے مجددین کے سلسلۂ افکار و تعلیمات اور سلسلۂ اسناد و تسلسل کا تعارف پیش فرمایا ہے۔ آپ کی یہ اہم ترین تصنیف چار حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا حصہ ''تحديث العبد الضعيف بنعمة ربه اللطيف'' کے عنوان سے ہے، جس میں حضرت سندھیؒ نے نہ صرف اپنی خودنوشت سوانح لکھی ہے، بلکہ حضرت شیخ الہندؒ اور ہزارۂ دوم کے مجددین سے اپنے تعلق اور ان کے تجدیدی اَفکار کی وضاحت بیان کی ہے۔

اس کتاب کی ہمیشہ سے علمائے کرام کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت رہی ہے۔ چناں چہ ''نزہۃ الخواطر'' از مولانا عبدالحئ لکھنوی کے تکملہ میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (1) نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کتاب کی اہمیت اور مولانا سندھیؒ کے فکر اور نظریے کی وسعت بیان کی ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

> ''مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تالیفات میں سب سے بہترین کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ''التمهيد في آئمة التجديد'' ہے۔ جسے انھوں نے مکہ مکرمہ میں تالیف کیا تھا۔ اور شاہ ولی اللہؒ پر ایک مقالہ (شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف) جو ماہنامہ ''الفرقان'' کے خاص نمبر کے لیے لکھا تھا، یہ دونوں تالیفات مولانا سندھیؒ کے وسعتِ نظر اور فکری گہرائی پر دلالت کرتی ہیں''۔

آئندہ صفحات میں اس کتاب کے اس حصے کا اُردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ مولانا سندھیؒ نے اپنی اس خودنوشت سوانح میں اپنے حالاتِ زندگی، اپنے فکر و عمل کی تشکیل اور اس کے تدریجی ارتقا کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سندھیؒ شریعت میں ایک پختہ کار عالم ربانی، طریقت کے میدان کے شناور اور بہت سے مشائخ سے اجازت یافتہ ہیں۔ نیز سیاست میں ایک سچے اور مخلصانہ کردار ادا کرنے والے بے باک قائد، جرأت مند اور بہادر رہنما کے طور پر انقلابی کردار ادا کرنے والے اہم رہنما ہیں۔ یہ کتاب اُردو زبان میں لکھی ہوئی خودنوشت سوانح سے زیادہ جامعیت کی حامل اور ممتاز ہے۔ مولانا سندھیؒ کی سوانح کا اشتیاق رکھنے والے لوگوں کے لیے اس میں بہت سی نئی اور مفید باتیں آگئی ہیں۔ اس کی تین قسطیں گزشتہ شماروں میں آچکی ہیں۔ اب چوتھی اور آخری قسط پیش خدمت ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔

www.rahimia.org

باب (12): سلاطین ہند اور آئمہ علما کی وفیات کے بارے میں

فصل (1):

ہم نے اس کتاب میں چار طرح سے تاریخ کے سنین بیان کیے ہیں:

1۔ سنِ ہجری: ان کے مہینے چاند کے حساب سے ہیں۔

2۔ سنِ بعثتِ نبویؐ: اور وہ ہجری سن پر 13 سال کے اضافے کے ساتھ شروع کیے گئے ہیں۔ اور ان کے مہینے بھی چاند کے حساب سے ہیں۔

3۔ سنِ حنفی: حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اور اس کے مہینے شمسی حساب سے ہیں۔ جیسا کہ مشہور مسیحی مہینے، ان کے عین مطابق۔ اور یہ مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے سن سے 2000 سال پہلے ہے۔ چناں چہ یکم جنوری 1930 عیسوی کو یکم جنوری 3930 حنفی شمار کی جائے گی۔(2)

4۔ سنِ ولی اللّٰہی سروراجی: اور اس کی ابتدا 3651 حنفی سے ہوتی ہے۔ اور اس کے مہینے بھی شمسی حساب سے ہیں۔ جیسا کہ عیسوی سن کے مہینے ہیں۔ اور اس سن کے آغاز کا حساب ہم نے سلطان شاہ جہاں کے زمانے میں جامع مسجد دہلی کی بنیاد سے کیا۔ اس لیے کہ ولی اللّٰہی طریقے کے بانی امام ولی اللہ دہلویؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ اس واقعۂ مبارکہ کے موقع پر موجود تھے۔(3) واللہ الموفق

فصل (2):

سلاطین ہند کا سنہرا دور

1۔ سلطان نصیر الدین ہمایوں بن بابر 962ھ سے 963ھ تک/ 3554ح سے 3555ح تک۔(4)

2۔ جلال الدین محمد اکبر بن ہمایوں (اکبر اعظم) 963ھ سے 1014ھ تک/ 3605ح تک۔(5)

3۔ سلطان نورالدین سلیم بن اکبر (جہاں گیر) 1037ھ/ 3628ح۔(6)

4۔ سلطان شہاب الدین خرم بن سلیم (شاہ جہاں) 1069ھ/ 3659ح۔(7)

5۔ سلطان المجدّد محی الدین اورنگ زیب بن خرم (عالم گیر) الاعظم 1118ھ/ 3707ح / 57 ولی اللّٰہی سروراجی۔(8)

سلاطین ہند کا درمیانہ دور

1۔ سلطان قطب الدین محمد معظم بن اورنگ زیب (شاہ عالم) اول:
1119ھ تا 1124ھ/ 3707ح تا 3712ح/ 57 ولی اللّٰہی تا 62 ولی اللّٰہی۔

2۔ سلطان معز الدین جہاں دار شاہ بن محمد معظم (شاہ عالم) اول: 1124ھ/ 3713ح/ 63 ولی اللّٰہی۔ (9)

3۔ سلطان جلال الدین فرخ سیر بن عظیم الشان بن (شاہ عالم) اول:
1124ھ تا 1131ھ/ 3713ح تا 3719ح/ 69 ولی اللّٰہی سروراجی۔

4۔ سلطان ناصر الدین محمد شاہ بن جہان شاہ بن شاہ عالم اول: 1161ھ/ 3748ح/ 98 ولی اللّٰہی۔ (10)

سلاطین ہند کا دورِ انحطاط

1۔ سلطان احمد شاہ بن محمد شاہ بن جہان شاہ بن شاہ عالم اول:
1161ھ تا 1167ھ/ 3748ح تا 3754ح/ 104 ولی اللّٰہی۔ (11)

2۔ سلطان عزیز الدین عالم گیر بن جہاں دار شاہ بن شاہ عالم ثانی: 1173ھ/ 3759ح/ 109 ولی اللّٰہی۔ (12)

3۔ سلطان جلال الدین عالی گوہر بن عالم گیر بن جہاں دار شاہ بن شاہ عالم ثانی:
1218ھ/ 3803ح/ 153 ولی اللّٰہی۔

سلاطین ہند کا دورِ زوال

1۔ سلطان جلال الدین عالی گوہر بن عالم گیر بن جہاں دار شاہ عالم ثانی:
1218ھ تا 1221ھ/ 3803ح تا 3806ح/ 156 ولی اللّٰہی۔

2۔ سلطان معین الدین محمد اکبر بن شاہ عالم ثانی: 1253ھ/ 3837ح/ 187 ولی اللّٰہی۔ (13)

3۔ سلطان سراج الدین بہادر شاہ (ظفر) بن محمد اکبر بن شاہ عالم ثانی:
1253ھ تا 1274ھ/ 3837ح تا 3857ح/ 207 ولی اللّٰہی۔ (14)

www.rahimia.org

فصل (3):

نقشبندی طریقے میں مجددی طریقے کی راہ ہموار کرنے والے مشائخ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ عبیداللہ بن محمود بن شہاب الدین الاحرارؒ (خواجہ احرار):	895ھ۔(15)
2۔	شیخ محمد زاہد وخشیؒ	936ھ۔(16)
3۔	شیخ درویش محمد امکنویؒ	970ھ۔(17)
4۔	خواجہ عبدالباقی امکنویؒ	1010ھ۔(18)
5۔	امام رضی الدین محمد باقی دہلویؒ	970ھ۔
6۔	امامِ ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ	1034ھ۔

طریقۂ چشتیہ میں طریقۂ مجددیہ کی راہ ہموار کرنے والے مشائخ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ احمد عبدالحق ردولوی ابدالؒ	836ھ۔
2۔	شیخ عارف بن احمد عبدالحق ردولوی ابدالؒ	882ھ۔
3۔	شیخ محمد بن عارف بن احمد عبدالحق ردولوی ابدالؒ	898ھ۔
4۔	شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ	945ھ۔
5۔	شیخ رکن الدین بن عبدالقدوس گنگوہیؒ	983ھ۔
6۔	شیخ عبدالاحد بن زین العابدین سرہندیؒ	1007ھ۔
7۔	امام ربانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانیؒ	1034ھ۔

فقہائے محدثین میں طریقۂ مجددیہ کی راہ ہموار کرنے والے علما

	نام علما	سن وفات
1۔	شیخ جلال الدین سیوطیؒ	911ھ۔
2۔	شیخ ابن حجر مکیؒ	974ھ۔
3۔	شیخ یعقوب صیرفی (کشمیریؒ)	1003ھ۔
4۔	امام ربانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانیؒ	1034ھ۔

www.rahimia.org

طریقۂ احمدیہ مجددیہ کے امام

	نام آئمہ	سن وفات
1۔	امام ربانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانیؒ	1034ھ۔
2۔	خازن الرحمہ امام محمد سعید بن امام ربانیؒ	1070ھ۔
3۔	عروۃ الوثقیٰ امام محمد معصوم بن امام ربانیؒ	1079ھ۔
4۔	شیخ محمد یحییٰ بن امام ربانیؒ	1098ھ۔
5۔	شیخ سیف الدین بن امام محمد معصوم بن امام ربانیؒ	1096ھ۔
6۔	شیخ حجۃ اللہ بن امام محمد معصوم بن امام ربانیؒ	1114ھ۔
7۔	شیخ محمد فرخ بن امام محمد سعید بن امام ربانیؒ	1122ھ۔
8۔	شیخ عبدالاحد بن امام محمد سعید بن امام ربانیؒ	1127ھ۔
9۔	شیخ محمد صدیق بن امام محمد معصوم بن امام ربانیؒ	1131ھ۔
10۔	شیخ محمد زبیر بن ابوالعلا بن حجۃ اللہ بن امام معصوم بن امام ربانیؒ	1151ھ۔
11۔	شیخ محمد محسن من اولاد شیخ عبدالحق دہلویؒ	1147ھ۔
12۔	شیخ نور محمد بدایونیؒ	1135ھ۔
13۔	شیخ محمد افضل سیال کوٹی، لاہوری	1146ھ۔
14۔	شیخ سعداللہ دہلویؒ	1152ھ۔
15۔	شیخ محمد عابد سنامیؒ	1160ھ۔
16۔	شیخ امام محمد مظہر جان جاناں دہلویؒ	1195ھ۔
17۔	شیخ امام عبداللہ دہلویؒ (19)	1240ھ۔
18۔	شیخ ابوسعید دہلویؒ	1205ھ۔
19۔	شیخ احمد سعید دہلویؒ	1277ھ۔
20۔	شیخ عبدالغنی دہلویؒ	1295ھ۔

www.rahimia.org

فصل (4):

طریقۂ قادریہ گیلانیہ میں طریقۂ حقانیہ (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا طریقہ) کے راہ ہموار کرنے والے مشائخ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ محمد اُچی من اولاد امام عبدالقادر جیلانیؒ	923ھ۔
2۔	شیخ عبدالقادر بن شیخ محمد اُچی ملقب شیخ عبدالقادر ثانیؒ	940ھ۔
3۔	شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانیؒ	942ھ۔
4۔	شیخ حامد بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانیؒ	978ھ۔
5۔	شیخ موسیٰ شہید بن حامد بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانیؒ	1001ھ۔
6۔	شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	1012ھ۔

طریقۂ نقشبندیہ میں طریقۂ حقانیہ کے راہ ہموار کرنے والے مشائخ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ امام رضی الدین محمد باقی دہلویؒ	1022ھ۔
2۔	شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	1052ھ۔

طریقۂ قادریہ میں طریقۂ حقانیہ کے راہ ہموار کرنے والے مشائخ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ محمد بن حسن بن طاہر دہلویؒ	944ھ۔
2۔	شیخ امان اللہ پانی پتیؒ	957ھ۔
3۔	شیخ سیف الدین دہلویؒ	990ھ۔
4۔	امام شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	1052ھ۔

شیخ ابن عربی کی اتباع کرنے والوں میں طریقۂ حقانیہ کے راہ ہموار کرنے والے مشائخ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ	898ھ۔
2۔	شیخ رضی الدین بن عبدالغفور لاریؒ	912ھ۔
3۔	شیخ مودود لاری پانی پتیؒ	937ھ۔

www.rahimia.org

4	شیخ امان اللہ پانی پتیؒ	957ھ۔
5۔	شیخ سیف الدین دہلویؒ	990ھ۔
6۔	امام شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	1052ھ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اساتذہ میں فقہائے محدثین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ جلال الدین سیوطیؒ	911ھ۔
2۔	شیخ ابن حجر مکیؒ	974ھ۔
3۔	شیخ علی متقی مکیؒ	975ھ۔
4۔	شیخ عبدالوہاب متقی مکیؒ	1001ھ۔
5۔	امام شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	1052ھ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اساتذہ میں حنفی فقہائے محدثین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ امام محبّ الدین ابوالولید ابن شحنہؒ	815ھ۔
2۔	شیخ امام کمال الدین ابن ہمامؒ	861ھ۔
3۔	شیخ امام زین الدین القاسم بن قطلو بغاؒ	879ھ۔
4۔	شیخ سری الدین عبدالبر ابن شحنہؒ	921ھ۔
5۔	شیخ احمد بن یونس شلبیؒ	1020ھ۔
6۔	شیخ قطب الدین ابن مکیؒ	990ھ۔
7۔	شیخ ملا علی القاری مکیؒ	1014ھ۔
8۔	امام شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	1052ھ۔

طریقۂ امام مجدد شیخ عبدالحق دہلویؒ

(الف) شعبۂ اولاد

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ نور الحق دہلوی بن شیخ امام عبدالحق دہلویؒ	1073ھ۔
2۔	شیخ فخر الدین بن محبّ اللہ بن نور اللہ بن نور الحقؒ	ـــــ

www.rahimia.org

3۔	شیخ الاسلام محمد بن فخر الدین دہلویؒ	ـــــــ
4۔	شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام دہلویؒ	1229ھ۔
5۔	شیخ نور الاسلام بن سلام اللہ رام پوریؒ	ـــــــ

(ب) شعبۂ لکھنویّین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ نور الحق دہلوی بن شیخ امام عبد الحق دہلویؒ	1073ھ۔
2۔	شیخ پیر محمد لکھنویؒ (20)	1085ھ۔
3۔	شیخ غلام نقشبند لکھنویؒ (21)	1126ھ۔
4۔	شیخ ملا نظام الدین لکھنویؒ (22)	1161ھ۔
5۔	شیخ ملا بحر العلوم لکھنویؒ	1225ھ۔

(ج) شعبۂ لاہوریّین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ نور الحق دہلوی بن شیخ امام عبد الحق دہلویؒ	1073ھ۔
2۔	شیخ ملا عبد الحکیم (سیالکوٹی) لاہوریؒ	1067ھ۔
3۔	شیخ عبد اللہ لبیب بن عبد الحکیم لاہوریؒ	1093ھ۔
4۔	شیخ عبد اللہ بن سعد اللہ لاہوریؒ (23)	1083ھ۔
5۔	شیخ ابراہیم کردیؒ	1101ھ۔
6۔	شیخ ابو طاہر کردی مدنیؒ	1145ھ۔

(د) لاہوری مشائخ کا دوسرا سلسلہ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	امام شیخ عبد الحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	1052ھ۔
2۔	شیخ ملا عبد الحکیم (سیالکوٹی) لاہوریؒ	1067ھ۔
3۔	شیخ محمد عارف سیالکوٹی لاہوریؒ	1064ھ۔
4۔	شیخ محمد سعید سیالکوٹی لاہوریؒ	1166ھ۔
5۔	شیخ امام ولی اللہ دہلویؒ	1176ھ۔

www.rahimia.org

(ھ) شعبۂ بلگرامیّین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ امام عبدالحق محدث دہلویؒ	1052ھ۔
2۔	شیخ نورالحق دہلوی بن شیخ امام عبدالحق دہلویؒ	1073ھ۔
3۔	شیخ مبارک بلگرامیؒ	1115ھ۔
4۔	شیخ سید عبدالجلیل بلگرامیؒ	1137ھ۔
5۔	شیخ سید (غلام علی) آزاد بلگرامیؒ	1194ھ۔
6۔	شیخ عبدالرحمٰن بن مصطفیٰ عیدروسیؒ	1195ھ۔
7۔	شیخ سید محمد مرتضیٰ بلگرامیؒ	1205ھ۔

فصل (5): طریقۂ ولی اللّٰہی کی راہ ہموار کرنے والے مشائخ

طریقۂ چشتیہ اجداد کی جانب سے

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ حسن بن طاہر دہلویؒ	909ھ۔
2۔	شیخ امام عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ بحر مواجؒ	975ھ۔
3۔	شیخ قطب العالم بن شیخ عبدالعزیز دہلویؒ	1000ھ۔
4۔	شیخ رفیع الدین بن قطب عالم دہلویؒ	1052ھ۔
5۔	شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	1131ھ۔

طریقۂ نقشبندیہ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ امام رضی الدین محمد باقی دہلویؒ	1022ھ۔
2۔	شیخ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ	1034ھ۔
3۔	شیخ حسام الدین دہلویؒ	1043ھ۔
4۔	شیخ اللہ داد دہلویؒ	1051ھ۔
5۔	شیخ تاج الدین سنبلی مکیؒ	1050ھ۔

www.rahimia.org

6۔	شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ	1075ھ۔
7۔	شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ	1101ھ۔
8۔	شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	1131ھ۔

طریقۂ مجددیہ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ	1034ھ۔
2۔	شیخ آدم بنوریؒ	1053ھ۔
3۔	شیخ عبداللہ قاریؒ	
4۔	شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	1131ھ۔

محققین اور فن تحصیل علم کے محصّلین کا طریقہ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ جلال الدین دوانیؒ	908ھ۔
2۔	شیخ محمود شیرازیؒ	
3۔	شیخ حبیب جان شیرازیؒ	942ھ۔
4۔	شیخ یوسف بن محمد قرباغیؒ	
5۔	شیخ محمد فاضلؒ	
6۔	شیخ قاضی میر محمد اسلم ہرویؒ	1061ھ۔
7۔	شیخ علامہ میرزاہد ہرویؒ	1101ھ۔
8۔	شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	1131ھ۔

طریقۂ فقہا محدثین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ احمد بن یونس شلبیؒ	1020ھ۔
2۔	شیخ زین الدین بن نجیم مصریؒ	970ھ۔
3۔	شیخ محمد بن عمر حانوتیؒ	1010ھ۔
4۔	شیخ خیر الدین رملیؒ	1081ھ۔

www.rahimia.org

5۔	شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	1131ھ۔

محققین جامعین کا طریقۂ مجددیہ

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ	1034ھ۔
2۔	شیخ محمد سعید بن امام ربانیؒ	1070ھ۔
3	شیخ محمد معصوم بن امام ربانیؒ	1079ھ۔
4۔	شیخ حجۃ اللہؒ	1114ھ۔
5۔	شیخ عبدالاحدؒ	1127ھ۔
6۔	شیخ محمد افضلؒ (سیالکوٹی)	1146ھ۔
7۔	امام ولی اللہ دہلویؒ	1176ھ۔

طریقۂ محققین جامعین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ	926ھ۔
2۔	شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ	973ھ۔
3۔	شیخ احمد بن حجر مکیؒ	974ھ۔
4۔	شیخ علی بن عبدالقدوس شناویؒ	1011ھ۔
5۔	شیخ احمد بن علی شناویؒ	1028ھ۔
6۔	شیخ احمد قشاشیؒ	1071ھ۔
7۔	شیخ محقق امام ابراہیم کردیؒ	1101ھ۔
8۔	شیخ ابوطاہر کردی مدنیؒ	1145ھ۔
9۔	امام ولی اللہ دہلویؒ	1176ھ۔

طریقۂ محدثین محققین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ	926ھ۔
2۔	شیخ نجم الدین غیطیؒ	ــــــ

www.rahimia.org

3۔	شیخ سالم سنہوریؒ	1015ھ۔
4۔	شیخ شمس الدین محمد بن علیٰ بابلیؒ	1079ھ۔
5۔	شیخ ابراہیم کردی مدنیؒ	1101ھ۔
6۔	شیخ حسن بن علی عجیمیؒ	1113ھ۔
7۔	شیخ احمد بن محمد نخلیؒ	1130ھ۔
8۔	شیخ عبداللہ بن سالم بصریؒ	1134ھ۔
9۔	شیخ ابو طاہر مدنیؒ	1145ھ۔
10	شیخ امام ولی اللہ دہلویؒ	1176ھ۔

طریقہ فقہائے محدثین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ شہاب خفاجیؒ	1069ھ۔
2۔	شیخ خیر الدین رملیؒ	1081ھ۔
3۔	شیخ حسن بن عمار شرنبلالیؒ	1069ھ۔
4۔	شیخ حسن بن علی عجیمیؒ	1113ھ۔
5۔	شیخ عبدالحسن قلعیؒ	1083ھ۔
6۔	شیخ تاج الدین قلعیؒ	1148ھ۔
7۔	شیخ امام ولی اللہ دہلویؒ	1176ھ۔

طریقہ فقہائے محدثین محصّلین

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ ملا علی قاریؒ	1014ھ۔
2۔	شیخ عبدالحق دہلویؒ	1052ھ۔
3۔	شیخ عبدالحکیم سیالکوٹی لاہوریؒ	1067ھ۔
4۔	شیخ عبداللہ لبیب سیالکوٹی لاہوریؒ	1093ھ۔
5۔	شیخ عبداللہ بن سعداللہ لاہوریؒ	1083ھ۔
6۔	شیخ ابراہیم کردی مدنیؒ	1101ھ۔

www.rahimia.org

7۔	شیخ ابوطاہر کردی مدنی ؒ	1145ھ۔
8۔	شیخ امام ولی اللہ دہلویؒ	1176ھ۔

فصل (6): ولی اللّٰہی جماعت

	نام مشائخ	سن پیدائش/ وفات
1۔	شیخ ابورضا محمد بن وجیہ الدین بن معظم بن منصور دہلویؒ	1046ھ تا 1101ھ/ 41 ولی اللّٰہی
2۔	شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	1054ھ تا 1131ھ/ 69 ولی اللّٰہی
3۔	شیخ امام ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ (حکیم الہند)	1114ھ تا 1176ھ/ 112 ولی اللّٰہی
4۔	شیخ امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ (سراج الہند)	1159ھ تا 1239ھ
5۔	شیخ رفیع الدین بن ولی اللہ دہلویؒ	1233ھ۔
6۔	شیخ عبدالقادر بن ولی اللہ دہلویؒ	1162ھ تا 1230ھ
7۔	شیخ عبدالغنی بن ولی اللہ دہلویؒ	1227ھ۔
8۔	شیخ صدر الشہید محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ دہلویؒ	1193ھ تا 1246ھ۔
9۔	شیخ موسیٰ بن رفیع الدین بن ولی اللہ دہلویؒ	1259ھ
10۔	شیخ صدر الحمید محمد اسحاق سبط امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ	1197ھ تا 1262ھ۔
11۔	شیخ محمد عمر بن محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ دہلویؒ	1268ھ۔
12۔	شیخ مخصوص اللہ بن رفیع الدین بن ولی اللہ دہلویؒ	1271ھ۔
13۔	شیخ محمد یعقوب سبط امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ	1200ھ تا 1282ھ۔
14۔	شیخ عبدالقیوم سبط امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ	1299ھ۔
15۔	شیخہ خدیجہ بنت محمد اسحاق سبط امام عبدالعزیز دہلویؒ	1310ھ۔
16۔	شیخ صدر السعید عبدالحیٔ بن ہبۃ اللہ ختن امام عبدالعزیز دہلویؒ	1243ھ۔
17۔	الامیر الشہید سید احمد الحسنی خلیفہ امام عبدالعزیز دہلویؒ	1246ھ۔
18۔	شیخ محمد حسن رام پوری شہید معین صدر الشہیدؒ	1246ھ۔
19۔	شیخ سید عبدالرحیم افغانی شہیدؒ	1246ھ۔
20۔	شیخ علامہ رشید الدین دہلویؒ	1179ھ تا 1249ھ۔
21۔	شیخ استاذ العلامہ مملوک العلی نانوتوی دہلویؒ	1267ھ۔

www.rahimia.org

22۔	شیخ صدر الدین دہلویؒ	1285ھ۔
23۔	شیخ قطب الدینؒ	1289ھ۔

فصل (7): ولی اللّٰہی جماعت میں سے دیوبندی جماعت

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	شیخ استاذ العلامہ مملوک العلی نانوتوی دہلویؒ	1267ھ۔
2۔	شیخ محمد یعقوب نانوتوی دہلویؒ	1282ھ۔
3۔	شیخ امداد اللہ تھانوی مکیؒ	1317ھ۔
4۔	شیخ احمد سعید دہلویؒ	1277ھ۔
5۔	شیخ مظفر حسین کاندھلویؒ	1283ھ۔
6۔	شیخ عبد الغنی دہلویؒ	1295ھ۔
7۔	شیخ حافظ احمد علی سہارن پوریؒ	1297ھ۔
8۔	شیخ محمد مظہر نانوتویؒ	1302ھ۔
9۔	شیخ امام محمد قاسم نانوتوی دیوبندیؒ	1297ھ۔
10۔	شیخ رشید احمد گنگوہیؒ	1323ھ۔
11۔	شیخ محمد یعقوب نانوتوی دیوبندیؒ	1304ھ۔
12۔	شیخ مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہندؒ	1339ھ۔

فصل (8): ہر ہجری صدی کے ابتدا میں آنے والے آئمہ فقہا حنفیہ

	نام مشائخ	تجدیدی دور
1۔	شیخ احمد بن حفص ابو جعفر الکبیر بخاریؒ	210ھ تا 217ھ۔
2۔	شیخ احمد بن محمد ابو جعفر طحاویؒ	310ھ تا 321ھ۔
3۔	شیخ عبید اللہ بن عمر ابو زید دبوسیؒ	410ھ تا 430ھ۔
4۔	شیخ محمود بن عمر جار اللہ زمخشریؒ	510ھ تا 538ھ۔
5۔	شیخ محمود بن عبد الستار شمس الآئمہ کردیؒ	610ھ تا 644ھ۔
6۔	شیخ عبد الکریم بن عبد النور قطب الدین حافظ حلبیؒ	710ھ تا 735ھ۔
7۔	شیخ علی بن محمد شریف علامہ جرجانیؒ	810ھ تا 816ھ۔

www.rahimia.org

8۔	شیخ عبدالبر بن شحنہ فقیہ محدثؒ	910ھ تا 941ھ۔
9۔	شیخ امام ربانی احمد سرہندیؒ	1010ھ تا 1031ھ۔
10۔	شیخ امام عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	1110ھ تا 1131ھ۔
11۔	شیخ امام عبدالعزیز بن ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ	1210ھ تا 1239ھ۔
12۔	شیخ مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہندؒ	1310ھ تا 1339ھ۔

فصل (9): بعثت نبویؐ سے ہر صدی کے شروع میں آنے والے آئمہ فقہائے حنفیہ (تیسری صدی کا آغاز 188ھ سے)

	نام مشائخ	سن وفات
1۔	امام محمد بن حسن شیبانیؒ	189ھ۔
2۔	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ	321ھ۔
3۔	امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدیؒ	333ھ۔
4۔	امام ابوالحسن عبیداللہ بن حسین کرخیؒ	340ھ۔
5۔	امام ابوزید احمد بن محمد رازیؒ	370ھ۔
6۔	امام ابوزید عبیداللہ بن عمر دبوسیؒ	430ھ۔
7۔	امام عبدالعزیز بن احمد بن نصر شمس الائمہ حلوانیؒ	448ھ۔
8۔	امام جعفر بن محمد مستغفری محدث حافظؒ	432ھ۔
9۔	امام محمد بن احمد شمس الائمہ سرخسیؒ	490ھ۔
10۔	امام علی بن محمد فخر الاسلام بزدویؒ	482ھ۔
11۔	امام محمد بن محمد صدرالاسلام رازیؒ	493ھ۔
12۔	امام محمود بن جاراللہ زمخشریؒ	538ھ۔
13۔	امام علی بن ابی بکر مرغینانیؒ	593ھ۔
14۔	امام ابوبکر بن مسعود کاسانیؒ	597ھ۔
15۔	امام حسن بن محمد صغانی لاہوری محدث فقیہؒ	650ھ۔
16۔	امام محمود بن اسعد بلخی دہلویؒ	687ھ۔
17۔	امام حسین بن علی سغناقیؒ	714ھ۔

www.rahimia.org

18۔	امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاریؒ	730ھ۔
19۔	امام عبدالکریم بن عبدالنور حلبی حافظؒ	735ھ۔
20۔	امام علامہ مسعود بن عمر تفتازانیؒ	392ھ۔

''نوٹ: میں کہتا ہوں کہ عجیمیؒ نے کہا ہے کہ: ''کہا گیا ہے کہ وہ شافعی ہیں۔لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حنفی ہیں۔اس لیے کہ انھوں نے اصولِ حنفیہ میں کتابیں لکھی ہیں۔اور اس لیے کہ ان کا ذکر ''المنهل الصافي المستوفي بعد الوافي'' کے مصنف نے علاؤالدین محمد بن محمد بخاریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ: ''وہ بغیر کسی شک و شبہ کے حنفی ہیں۔اس لیے کہ انھوں نے اپنے والد اور اپنے چچا اور اپنے زمانے کے علما میں تفتازانیؒ وغیرہ سے علم فقہ حاصل کیا ہے۔'' اِنتھیٰ۔

شیخ علا بخاری کا ان سے تفقہ حاصل کرنے کا دعویٰ کرنا بعید از قیاس ہے۔تفتازانی کو شافعی قرار دینا تکلف سے خالی نہیں ہے۔ جو فقہ کی تحریک سے واقف ہیں، اُن سے یہ بات مخفی نہیں۔'' واللہ اعلم

انتھیٰ قول العجیمی

طحطاویؒ نے درّ مختار پر لکھے ہوئے اپنے حاشیے میں کہا ہے کہ: ''تفتازانی حنفی تھے۔جیسا کہ ''شرح المنار'' کے دیباچے میں صاحبِ ''بحر الرائق'' نے کہا ہے۔اپنے زمانے میں حنفی جماعت کی سربراہی انہی کو حاصل تھی۔ یہاں تک کہ وہ حنفیہ کی جانب سے قضا کے عہدے پر فائز تھے۔ان کی تصانیف میں ''تکملہ شرح الھدایہ للسروجی''، ''فتاویٰ حنفیہ''، ''شرح تلخیص الجامع الکبیر'' اور ''التلویح حاشیۃ التوضیح للصدر الشریعۃ'' شامل ہیں۔'' اِنتھیٰ قول الطحطاوی واللّٰہ أعلم۔

21۔	علامہ علی بن محمد شریف جرجانیؒ	816ھ۔
22۔	علامہ محمد بن حمزہ الشمس فناریؒ	834ھ۔
23۔	علامہ شہاب الدین ہندیؒ	848ھ۔
24۔	الفقیہ المحدث عبدالبر ابن شحنہؒ	921ھ۔
25۔	الفقیہ المحدث ابراہیم کرکیؒ	923ھ۔
26۔	الفقیہ العارف حسن بن طاہر دہلویؒ	909ھ۔
27۔	الفقیہ العلامہ اللہ داد جون پوریؒ	923ھ۔
28۔	الفقیہ العارف عبدالقدوس گنگوہیؒ	945ھ۔
29۔	الامام الربانی شیخ احمد سرہندی، عارف الہندؒ	1034ھ۔
30۔	الفقیہ المحدث شیخ احمد بن یونس شلبیؒ	1020ھ اور کچھ اوپر۔

www.rahimia.org

31۔	الفقیہ المحدث شیخ عبدالحق دہلویؒ	1052ھ۔
32۔	الامام محی الدین محمد عالم گیر الفقیہ، سلطان الہندؒ	1118ھ۔
33۔	امام حسن بن علی العجیمی مکیؒ	1113ھ۔
34۔	امام عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	1131ھ۔
35۔	امام ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی، حکیم الہندؒ	1176ھ۔
36۔	امام محمد مظہر دہلوی شہیدؒ	1195ھ۔
37۔	امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلوی، سراج الہندؒ	1239ھ۔
38۔	الامیر امداد اللہ تھانوی مکیؒ	1317ھ۔
39۔	شیخ الاسلام عبدالغنی دہلویؒ	1295ھ۔
40۔	امام محمد قاسم دیوبندیؒ	1297ھ۔
41۔	شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ	1323ھ۔
42۔	مولانا محمود حسن دیوبندیؒ	1339ھ۔

فصل (10):

اس سرگزشت کی یہ فصول اس تذکرے پر ہم ختم کرتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے کون سے وہ افراد ہیں، جن سے ہم نے علوم کی سند لی ہے۔ یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہیے کہ اگر میں اپنے ابتدائی طالب علمی کے زمانے سے کثرت سے اسانید کے حصول میں مشغول ہوتا تو ایسے افراد سے میں اپنا سلسلۂ سند حاصل کر لیتا، جو بہت اونچی اسانید رکھتے تھے۔ لیکن میرے دل کی گہرائیوں میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی محبت اس طرح رَچ بس چکی تھی اور فقہ اور حکمت کے حصول کے لیے میں جس طرح یکسو ہو کر مشغول تھا، ایسے میں مَیں اسانیدِ عالیہ کے حصول کی طرف بہت کم توجہ دے پایا۔

پھر جب اللہ نے مجھ پر فضل کیا۔ اور اُم القریٰ مکہ مکرمہ میں میرا قیام ہوا۔ اور میں نے اس کتاب ''تمہید'' کے لکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے مکہ مکرمہ کے درجِ ذیل بعض مشائخ سے سے علوم کی اجازت طلب کی۔ جیسا کہ:

1۔ شیخ عبدالستار بن عبدالوہاب ہندیؒ
2۔ شیخ عبداللہ بن محمد غازی ہندیؒ
3۔ شیخ ابوالشرف عبدالقادر بن محمد معصوم مجددیؒ
4۔ شیخ عبدالوہاب بن عبدالجبار دہلویؒ وغیرہم

www.rahimia.org

5۔ ایسے ہی میں نے اُن مشائخ سے بھی روایت کرنے کو پسند کیا، جنھوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کو اجازت دی تھی۔ خواہ میں نے براہِ راست ان کو پایا ہے، یا ہمارے مشائخ میں سے کسی ایک نے یا اس سے اوپر کسی شیخ نے انھیں پایا ہے۔ پس ایسے مشائخ، جن سے میری ملاقات ہوئی، شیخ ابوالخیر احمد بن عثمان بن علی ہندی مکی ہیں۔ جن کی توجہ تمام اسانید کو جمع کرنے کی طرف تھی۔ میں نے اس وقت اُن سے ''المسوّٰی من احادیث المؤطا'' کی خصوصی اجازت مناولۃً لی تھی، جب کہ میں ہندوستان میں تھا۔ وہ اس کتاب کو ''مسلسل بالقرأۃ والسماع'' روایت کرتے تھے۔ اس طرح شیخ ابوالخیر کے واسطے سے مجھے شیخ ابوالحسنات عبدالحیؒ لکھنوی اور امیر قنوجی ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی بھوپالی ایسے مشائخ سے سند کا اتصال حاصل ہوگیا۔ چناں چہ میں نے ان دونوں حضرات کی تصانیف سے بہت نفع اُٹھایا۔

دیگر جن مشائخ سے میں نے اسناد حاصل کیں، ان میں درجِ ذیل بھی تھے:

6۔ شیخ عباس بن جعفر بن صدیق مکیؒ
7۔ شیخ علی بن ظاہر وتری مدنیؒ
8۔ شیخ عبدالجلیل بن عبدالسلام رُواۃ المدنیؒ
9۔ شیخ نورالحسنین ہندیؒ

ان فصلوں میں مَیں نے اپنے بہت سے مشائخ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں، جو باپ کی طرح ہیں، جیسے ہمارے استاذ شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسن)۔ اور کچھ وہ ہیں، جو دادا، چچا، بھائی اور بیٹے کی طرح ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرتا ہوں، اتنا کہ جسے ہمارا رب پسند کرے اور راضی ہوجائے۔ اس بات پر کہ:

1۔ اللہ نے مجھے نعمتِ اسلام سے سرفراز کیا۔
2۔ یہ کہ اُس نے مجھے اپنے استاذ شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسن) کی خدمت میں پہنچا دیا، جن سے میں نے تعلیم حاصل کی۔ اور جتنا میرے مقدر میں تھا، میں نے اُن سے علوم و معارف اور احوال و مقامات سیکھے۔
3۔ میں اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے اپنے پیر و مرشد سید العارفین حافظ محمد صدیق سندھی (24) سے کلمۂ توحید سیکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں یہ اعتقاد بھی رکھتا ہوں کہ حضرت شیخ الہندؒ تک میرا پہنچنا بھی دراصل اس نیک بندے کی اللہ سے دعا کی برکت کا نتیجہ تھا۔
4۔ ایسے ہی اللہ نے مجھ پر جو فضل کیا، اُن میں سے ایک یہ کہ مجھے شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد انصاری گنگوہی سے علم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اور نیز شیخ امام رشیدالدین سندھی صاحب العلَم (پیر جھنڈا) (25) سے علم حاصل کرنے کا موقع دیا۔
5۔ اللہ کی تعریف و ثنا میں اس بات پر بھی کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے اپنے استاذ شیخ الاسلام حسین بن محسن

www.rahimia.org

انصاری یمنی بھوپالی سے علوم کے استفادے کا موقع دیا۔

6۔ اس بات پر بھی اللہ کا شکر ہے، کہ میں نے شیخ الاسلام سید نذیر حسین دہلویؒ کی زیارت کی۔ اور ان کے بعض اسباق میں شرکت کی۔ اور ان کے ساتھ میں نے ایک نماز پڑھی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ایسے کسی آدمی کی زیارت نہیں کی تھی، کہ جنھوں نے الامیر الشہید (سید احمد شہیدؒ) اور الصدر الشہید (مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ) کی زیارت کی ہو، اور ان دونوں کے ساتھ نماز میں شرکت کی ہو۔ سوائے ان دو مشائخ کے: شیخ الاسلام سید نذیر حسین دہلویؒ اور ہمارے پیر و مرشد سید العارفین حافظ محمد صدیق سندھیؒ۔ ان دونوں حضرات نے ان شہیدینؒ کو دیکھا تھا۔ اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے۔ رضی اللّٰہ عنهم أجمعین۔

آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين و صلى الله علىٰ سيدنا محمد و آلهٖ، كلما ذكره الذاكرون و كلما غفل عن ذكره الغافلون. اللهم صل عليه و علىٰ سائر النبيين و علىٰ آل كل و سائر الصالحين نهاية ما ينبغي ان يسئل السائلون. ربنا اغفرلنا و لإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل فى قلوبنا غلا للذين آمنوا. ربنا انک رؤف الرحيم.

''ہماری آخری بات یہی ہے۔ اور اس پر ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ جو تمام اقوامِ عالم کا ربّ ہے۔ اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل پر ہر دم درود وسلام ہو۔ جب بھی ذکر کرنے والے آپؐ کا ذکر کریں۔ اور جب بھی غفلت برتنے والے آپؐ کے ذکر سے غفلت برتیں۔ اے اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور تمام انبیا علیہم السلام پر، اور ان تمام کی آل پر اور تمام نیک لوگوں پر انتہائی اُس درجے تک، جتنا بھی سوال کرنے والوں کے لیے سوال کرنا مناسب ہے، درود وسلام بھیج۔ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے اُن بھائیوں کے گناہ معاف فرما، جو ہم سے پہلے ایمان میں سبقت لے گئے۔ اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے خلاف کوئی کھوٹ پیدا نہ فرما۔ اے ہمارے پروردگار! تو انتہائی مہربان رحم کرنے والا ہے۔''

''تم يوم السبت غره ربيع الأول ۱۳۴۹ ھ (مطابق 27 جولائی 1930ء).'' (26)

''ہفتے کے روز یکم ربیع الاول 1349ھ (مطابق 27 جولائی 1930ء) کو یہ حصہ مکمل ہوا۔''

www.rahmia.org

حوالہ جات و حواشی

1۔ نزہۃ الخواطر کی سات جلدیں مولانا عبدالحئی لکھنوی (والدِ گرامی مولانا ابوالحسن علی ندوی) کی تحریر کردہ ہیں۔ آٹھویں جلد کا بنیادی مواد انہی کا مرتب کردہ ہے۔ لیکن وہ اپنے انتقال کی وجہ سے اس جلد کو مکمل نہیں کر سکے تھے۔ اس کا تکملہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تذکرے کا ابتدائی حصہ مولانا عبدالحئی لکھنوی کا لکھا ہوا ہے۔ جب کہ اس کا بقیہ طویل حصہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تحریر کیا ہے۔ نزہۃ الخواطر کی یہ عبارت دراصل مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تحریر کردہ ہے۔ ''شعور و آگہی'' کے گزشتہ شماروں میں ''سرگزشتِ حیات مولانا عبیداللہ سندھیؒ'' کی اقساط کے شروع میں سہواً مولانا عبدالحئی لکھنوی کی طرف یہ عبارت منسوب ہو کر شائع ہوتی رہی۔ یہاں اس کی تصحیح کرتے ہوئے اس سہو پر قارئین سے معذرت ہے۔ (آزاد)

2۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحب زادے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے تاریخ پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر 1200ھ تک اہم تاریخی واقعات درج کیے ہیں۔ اس کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے دنیا میں آنے سے شروع ہونے والی تاریخ کے حساب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش 3323 (آدمی) میں ہوئی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش 5584 (آدمی) میں ہوئی ہے۔ (دیکھیے ''رسالة فی التواریخ'' قلمی مخطوطہ، ورق نمبر 81 اور 83، محفوظ لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)

اس تقویم کے مطابق حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان 2261 سال کا فاصلہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''سنِ حنیفی'' اور ''سنِ عیسوی'' کے درمیان 2261 سال کا فرق ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے 2000 سال کا فرق بیان کیا ہے۔ غالباً یہ اندازے کی بنیاد پر ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا یہ رسالہ ''رسالة فی التواریخ'' حضرت سندھیؒ کی نظر سے نہیں گزرا۔ اس رسالے کا قلمی نسخہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

3۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے ''أنفاس العارفین'' حالات حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔

4۔ طباطبا نے ''سِیَرُ المتأخرین'' میں لکھا ہے کہ: ''ہمایوں کی حکومت کی مدت پہلی مرتبہ دس سال رہی۔ جب کہ دوسری مرتبہ دس ماہ رہی۔ یعنی سال 962ھ میں۔'' (دیکھیے سِیَرُ المتأخرین، ص 164، جلد 01، طبع نول کشور 1314ھ)

ہمایوں 913ھ میں پیدا ہوا۔ اور پہلی مرتبہ 937ھ میں ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ تقریباً دس سال حکومت کے بعد شیر شاہ سوری نے اسے ہندوستان سے بے دخل کر دیا۔ سولہ سال ایران اور کابل وغیرہ کی سیاحت کے بعد 02 ربیع الثانی 962ھ کو اُس نے لاہور فتح کیا۔ اور پھر 02 شعبان 962ھ کو سکندر شاہ کو شکست دے کر اپنی بادشاہت دوبارہ قائم کی۔ 11 ربیع الاول 963ھ بمطابق 24 جنوری 1556ھ کو اس کا انتقال ہو گیا۔

مولانا سندھیؒ نے ہمایوں کے دوسرے دور (شعبان 962ھ تا 963ھ) کو سلاطینِ ہند کے شان دار دور میں شامل کیا ہے۔

5۔ ''سِیَرُ المتأخرین'' میں لکھا ہے کہ: ''کتاب مجمع السلاطین کے مطابق ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر ہمایوں بادشاہ کے انتقال کے بعد 03 ربیع الثانی 963ھ، بروز جمعۃ المبارک دوپہر کے وقت لاہور کے قریب قصبہ ''کلانور'' میں تخت نشین ہوا۔ اور 12 جمادیٰ الاخریٰ 1014ھ، بروز بدھ اس کا انتقال ہوا۔ آگرہ کے قریب سکندرہ میں اسے دفن کیا گیا۔ ان کی کل مدتِ عمر 64

www.rahimia.org

سال، 11 مہینے، 07 دن ، سلطنت اور حکومت کی مدت 51 سال، 02 ماہ، 09 دن ہے۔'' (سیر المتأخرین، جلد 01، ص 166)

6۔ شہزادہ سلیم بن جلال الدین محمد اکبر 14 جمادی الثانیہ، بروز جمعرات، 1014ھ دار الخلافہ قلعہ اکبر آباد (آگرہ) تخت نشین ہوا۔ اور سیر المتأخرین کے مطابق 28 صفر 1036ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ لیکن ''مجمع السلاطین'' کے مطابق اس کا انتقال 1037ھ میں ہوا۔ (سیر المتأخرین، جلد 01، ص 253)

7۔ سلطان شہاب الدین شاہ جہاں کی ولادت اکبر بادشاہ کے چھتیسویں سالِ جلوس میں 30 ربیع الثانی 1000ھ بمطابق 15 جنوری 1592ء کو دارالسلطنت لاہور میں ہوئی۔ اکبر نے اپنے اس پوتے کا نام ''سلطان خرم'' رکھا۔ (عملِ صالح المعروف شاہ جہاں نامہ، از محمد صالح کمبوہ، جلد اول، ص 22، اردو ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسن دہلوی، مطبوعہ اردو سائنس بورڈ، لاہور) سلطان شاہ جہان کا انتقال 1076ھ میں ہوا۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی لکھتے ہیں: ''1069ھ، یہ سلطان شاہ جہان کی وفات کی تاریخ نہیں ہے۔ بلکہ سلطان عالم گیر کی تختِ سلطنت پر بیٹھنے کی تاریخ ہے۔''

8۔ سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے بارے میں منشی ذکاء اللہ نے لکھا ہے: ''خافی خان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب 1028ھ مطابق 1691ء میں پیدا ہوا۔ اور اس کی تاریخِ ولادت ''آفتاب عالم تاب'' لکھی۔ جب کہ بادشاہ نامہ میں تاریخِ ولادت 15 ذی قعد 1027ھ لکھی ہے۔ اور ظفر نامہ میں 15 ذی قعدہ 1028ھ لکھی ہے۔ وہ صوبہ احمد آباد اور مالوہ کی سرحدوں پر واقع ''دوحد'' میں پیدا ہوئے۔ (تاریخِ ہندوستان، از منشی ذکاء اللہ، جلد 8، ص 4078، طبع سنگِ میل پبلشرز، لاہور) ''سلک الدر'' کے مصنف کے مطابق: ''سلطان اورنگ زیب عالم گیر نے 1028ھ (1658ء) میں نظامِ مملکت چلانا شروع کیا۔ اور پچاس سال حکمرانی کے بعد کہ ماہِ ذی قعدہ 1118ھ (فروری 1707ء) میں ان کا انتقال ہوا۔ اس طرح انھوں نے اپنی حکمرانی کے پچاس سال گزارے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی وسیع رحمت نازل فرمائے۔''

9۔ ''مجمع السلاطین'' کے مطابق سلطان معزالدین کو فرخ سیر نے قتل کیا تھا۔ اور اُسے ہمایوں کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ (قاسمی)

10۔ ''مجمع السلاطین'' میں ہے کہ: ''ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ خلف جہاں شاہ بن بہادر شاہ 15 ذی قعد 1131ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور اس کے وفات بروز جمعرات 27 ربیع الثانی 1161ھ کو ہوئی۔'' (دیکھیے مجمع السلاطین، ص 86)

11۔ ''مجمع السلاطین'' کے مطابق احمد شاہ بادشاہ بن محمد شاہ 02 جمادی الاولیٰ 1161ھ کو پانی پت کے مقام پر تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں مغل حکومت کا اکثر ملک ان کے قبضے سے جا چکا تھا۔ دکن مرہٹوں اور نظام الملک کے فرزندان کے قبضے میں تھا۔ عظیم آباد اور بنگال مہابت خان کے قبضے میں تھا۔ الہٰ آباد اور اودھ صفدر جان کے تصرف میں تھا۔ اور بریلی و مراد آباد علی محمد روہیلہ کے زیر اختیار تھا۔ اور فرخ آباد قائم خان بنگش کے زیر تسلط تھا۔ اس بادشاہ کی اولاد کا کوئی نام و نشان کتابوں میں نظر نہیں آتا۔ صرف ایک بیٹا بیدار بخت تھا۔ (دیکھیے مجمع السلاطین، ص 27)

12۔ عزیز الدین عالم گیر ثانی بن معزالدین جہاں دار شاہ بن بہادر شاہ، اس کی ولادت جمعہ کے روز 1099ھ میں انوپ بائی کے پیٹ سے ہوئی۔ اور وہ 10 شعبان 1167ھ کو تخت نشین ہوا۔ اس کے وفات 08 ربیع الثانی 1173ھ کو ہوئی۔ اس کے زمانے

www.rahimia.org

میں مرہٹہ سرداروں نے بہت زیادہ غلبہ حاصل کرلیا تھا۔ بالآخر ہندوستان کے اُمرا مثلاً نواب شجاع الدولہ، نواب نجیب الدولہ وغیرہ نے اپنی مدد کے لیے احمد شاہ ابدالی کو طلب کیا تھا۔ (دیکھیے مجمع السلاطین، ص28)

13۔ ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ بن شاہ عالم کی ولادت 07 رمضان 1173ھ کو ہوئی۔ اور 07 رمضان 1221ھ کو تخت نشین ہوا۔ اور اس کی وفات بروز جمعہ 27 جمادی الثانیہ 1253ھ کو ہوئی۔ اس بادشاہ کی حکومت سوائے قلعہ مبارک کے اَور کہیں نہیں تھی۔ ایک لاکھ روپے انگریز کمپنی کی سرکار سے اس کو آتا تھا۔ صرف ایک موضع کوٹ قاسم اور چند دیہات و باغات کی آمدنی اس کو آتی تھی۔ (مجمع السلاطین، ص29)

14۔ ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ ثانی بن محمد اکبر بادشاہ ثانی 28 جمادی الثانیہ 1253ھ میں تخت نشین ہوا۔ (مجمع السلاطین، ص30)

15۔ شیخ عبیداللہ احرارؒ قصبہ ''شاش'' میں 806ھ میں رمضان کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے خالو، اُس زمانے کے علامہ شیخ ابراہیم شاشی کی گود میں تربیت پائی۔ پھر تاشقند سے سمرقند کا سفر کیا۔ اور وہاں شیخ نظام الدین خاموش کی ایک مدت تک صحبت اُٹھائی۔ پھر بخارا کا ارادہ کیا۔ اور وہاں شیخ حمید الدین شاشی اور شیخ علاؤ الدین غجدوانی کی صحبت اُٹھائی۔ اور یہ دونوں حضرات سیدنا شاہ نقشبند کے بڑے تربیت یافتہ اصحاب میں سے تھے۔ خواجہ احرار کا انتقال ہفتے کی رات، عشا کے وقت ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو 890ھ میں ''کمان کراہ'' کی بستی میں ہوا۔ (دیکھیے الأنوار القدسیه فی مناقب السادة النقشبندیه، ص157، طبع مطبع السعادت، 1344ھ، مصر)

16۔ آپؒ کی نسبت قصبہ ''وخش'' کی طرف ہے۔ جو حصار میں ایک جگہ ہے۔ اور شیخ کا مدفن ہے۔ ''خزینة الأصفیاء'' میں ہے کہ: ''مولانا محمد زاہد وخشی خواجہ عبیداللہ احرار کے سچے خلیفہ ہیں۔'' شیخ شرف الدین ''روضة السلام'' والے فرماتے ہیں کہ: ''مولانا محمد زاہد خواجہ یعقوب چرخیؒ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ اور آپؒ کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے خواجہ یعقوب کے خلفائے عظام کی صحبت سے بہت زیادہ حصہ حاصل کیا۔ چناں چہ زہد و ریاضت کا ایک بہت بڑا حصہ انھی سے حاصل کیا۔ اور اسم بامسمّٰی بن گئے۔ لیکن ابھی طلبِ خدا باقی تھی۔ کہ اشارۂ غیبی سے حضرت خواجہ احرار کی خدمت سے مستفیض ہوئے۔ خواجہ محمد زاہد کا انتقال 936ھ میں ہوا۔ اور ان کا مزار پُرانوار ''وخش'' کے مقام پر زیارت گاہِ مخلوق ہے۔ (دیکھیے خزینة الأصفیاء، جلد01، ص602)

17۔ مولانا درویش محمد مولانا محمد زاہد کے بڑے خلفا میں سے ہیں۔ اور ان کا انتقال 970ھ میں ہوا۔ (دیکھیے خزینۃ الاصفیاء، جلد01، ص603) اور ''انوار القدسیہ'' کے مصنف کے مطابق اگرچہ مولانا محمد زاہد سے بہت سے تربیت یافتہ اصحاب تھے، لیکن وہ عظیم ترین شخصیت، جس میں اس نسبت کا ''سرّ'' سرایت کرگیا۔ اور اس سلسلے کے شیخ بنے، محمد خواجگی الامکنگی قدس سرہٗ ہیں۔ (انوار القدسیہ، ص178)

18۔ امکنگی کی نسبت ''امکنہ'' کی طرف ہے۔ جس کا صحیح تلفظ الف کے زیر، میم ساکن اور کاف اور نون کی فتح کے ساتھ اور پھر ہا، لیکن یہ ہا بعد میں کاف سے بدل دی گئی ہے۔ یہ بخارا کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ خواجہ عبدالباقی امکنگی کے بہت سے کامل خلفا

www.rahimia.org

اور اولیا ہیں۔ اور ان میں سے سب سے کامل ترین، جس میں اس نسبتِ عالیہ کا راز سرایت کیا ہوا ہے، شیخ محمد الباقی رضی اللہ عنہ، جو اس سلسلے کی شیخ ہیں۔ (دیکھیے مناقب سادۃ النقشبندیہ، ص178)

مولانا قاسمی لکھتے ہیں کہ: ''امکنکی کی نسبت سے مشہور وہی بزرگ ہیں، جن کا ابھی پیچھے ''مناقب السادۃ'' کی عبارت میں تذکرہ ہوا۔ اور صاحب المناقب ان کا نام محمد الخواجگی الأمکنکی ذکر کیا ہے۔ اور ''خزینۃ الاصفیاء، جلد01، ص604 میں لکھا ہے کہ: ''مولانا خواجگی امکنگی حضرت خواجہ محمد درویش کے فرزندانِ ارجمند میں سے ہیں۔ اور ان کے حق پسند خلفا میں سے ہیں۔ انھوں نے ظاہری اور باطنی تربیت والدِ بزرگوار سے حاصل کی تھی۔ اور سمرقند کے اطرف میں قصبہ ''امکنک'' میں سکونت اختیار کی تھی۔ صاحبِ روضۃ السلام کے مطابق خواجہ امکنکی کی وفات 1008ھ میں ہوئی۔ اور ان کا مزار ''امکنک'' بستی میں ہے۔ اور ان کی عمر 90 سال ہوئی۔ میرا یہ کہنا ہے کہ حضرت الاستاذ سندھیؒ نے شیخ عبدالباقی اور ان کی سن وفات 1010ھ کا جو تذکرہ کیا ہے، مجھے ان کی زندگی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ واللہ اعلم۔ (قاسمی)

19۔ مولانا قاسمی لکھتے ہیں: ''یہ بزرگ وہی ہیں، جو شاہ غلام علی کے نام سے مشہور ہیں۔ پنجاب کے ایک قصبے ''بٹالہ'' میں 1158ھ میں پیدا ہوئے۔ علم کے حصول کے بعد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی شہادت کے بعد ان کی مسند پر قائم مقام ہوئے۔ لوگوں کا بہت زیادہ آپ کی طرف رجوع ہوا۔ لوگ دور دراز سے سفر کرکے آتے تھے۔ یہاں تک کہ روم، شام، عراق، حجاز، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ ممالک سے سفر کرکے آپؒ کی خدمت میں آتے تھے۔ آپؒ کا انتقال صفر 1240ھ میں دہلی میں ہوا۔ (دیکھیے مناقب السادۃ النقشبندیہ بتغییر یسیر و زیادۃ، ص210)

نُزھۃ الخواطر میں لکھا ہے: ''شیخ غلام علی 1256ھ میں پنجاب کے شہر بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشو ونما پایا۔ اور بہت سے شہروں سے علم حاصل کیا۔ پھر دہلی کا سفر کیا۔ اور صحیح بخاری حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ العمری الدہلوی سے پڑھی۔ اور ان سے سندِ حدیث حاصل کی۔ (نزھۃ الخواطر و بھجۃ المسامع و النواظر، از مولانا عبدالحئی لکھنوی جلد07، ص356، مطبوعہ مکتبہ دار العرفات، دائرۃ الشیخ علم اللہ، رائے بریلی، الھند)

20۔ شیخ پیر محمد بن اولیا جون پوری ثم لکھنوی مراد ہیں۔ یہ فضل و کمال میں مشہور مشائخ میں سے ایک ہیں۔ 26 رمضان 1027ھ میں پیدا ہوئے۔ اور دہلی کا سفر کیا۔ اور دہلی میں شیخ عبداللہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اور ان سے تمام طُرق میں اجازت حاصل کی۔ 14 جمادی الاخریٰ 1085ھ میں لکھنؤ شہر میں ان کا انتقال ہوا۔ (نزھۃ الخواطر، جلد05، ص96)

21۔ شیخ غلام نقشبند بڑے اساتذہ میں سے تھے۔ 19 ذی الحج 1051ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شیخ پیر محمد لکھنوی سے ''شرح چغمینی''، ''قدوری'' اور ''تفسیر بیضاوی'' کا کچھ حصہ پڑھا۔ اور پھر ان کے استاذ میر محمد نے ان کو اپنے شیخ پیر محمد کا سجادہ نشین بنایا۔ چناں چہ وہ ایک مدت تک وہیں مقیم رہے۔ 1127ھ میں رجب کے آخر (بعض کے مطابق جمادی الاولیٰ) میں شہر لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور اپنے پیر شیخ پیر محمد کے قریب دفن ہوئے۔ (نزھۃ الخواطر، جلد06، ص219 تا 222)

22۔ ملا نظام الدین لکھنوی: یہ استاذ الاساتذہ ہیں۔ اور درسِ نظامی انہی کی طرف منسوب ہے۔ شیخ عبدالعلی بحرالعلوم ان کے بیٹے ہیں۔ نزھۃ الخواطر میں لکھا ہے کہ: ''انھوں نے شیخ غلام نقشبند لکھنوی سے تعلیم حاصل کی۔''

www.rahimia.org

23۔ شیخ عبداللہ لاہوریؒ مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے۔ اور وہاں انھوں نے شیخ ابراہیم بن حسن کردی مدنی سے تعلیم حاصل کی۔ ان کا انتقال 1083ھ میں ہوا۔ (نزھۃ الخواطر، جلد05، ص353)

24۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ لکھتے ہیں کہ شیخ حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی سندھیؒ نے شیخ محمد حسن سندھیؒ (سوئی والا) کی صحبت اختیار کی تھی۔ اور وہ ہمارے شیخ المشائخ سید محمد راشد (پیر جوگوٹھ والے) کے تربیت یافتہ اصحاب میں سے تھے۔ حضرت حافظ صاحب یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ جب سکھوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو اس دوران اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے پیر و مرشد شیخ محمد حسن کی بستی ''سوئی والا'' میں تشریف لائے۔ حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک علمی بات میرے شیخ محمد حسن اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے درمیان ہوئی تھی۔ تو حضرت سید احمد شہیدؒ نے مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ کو طلب کیا۔ اور وہ لشکر کے اونٹ چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ جب وہ تشریف لائے تو ان دونوں حضرات کے درمیان میں کھڑے ہوگئے۔ اور اس مسئلے پر بڑی عمدہ تحقیق پیش فرمائی۔ جس سے ہمارے یہ دونوں بڑے شیخ رحمہما اللہ بہت خوش ہوئے۔ یہ واقعہ میرے شیخ، شیخ ابوالسراج (غلام محمد) دین پوریؒ نے بیان کیا ہے۔ اس واقعے کو ان کے صاحب زادے ڈاکٹر مولانا ظہیر الحسن نے اپنے رسالہ ''راستہ'' میں بھی طبع کرایا ہے۔

25۔ ان سے مراد سید رشید الدین بن سید محمد یٰسین صاحب العلم (پیر جھنڈا) بن سید محمد راشد بانی طریقۂ قادریہ راشدیہ ہیں۔ اور شیخ محدث رُشد اللہ سید رشید الدین کے بیٹے۔ اور یہ وہی بزرگ ہیں، جنھوں نے حضرت الاستاذ المؤلف (مولانا سندھیؒ) کے لیے بہت سی کتابیں جمع کیں۔ اور مدرسہ دارالرشاد کی بنیاد (پیر جھنڈا میں) رکھی۔ (قاسمی)

26۔ ''التمهيد لتعريف آئمة التجديد'' کا ایک قلمی نسخہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں ہے۔ اس میں اس سرگزشت کی تکمیل کی مذکورہ تاریخ لکھی ہے۔ دیکھیے عکس قلمی نسخہ ''التمهيد لتعريف آئمة التجديد''، ص88، موجود کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، کتاب نمبر 8748۔

www.rahimia.org

سماجیات

طبقاتی سماج

(قرآن وسنت کے تناظر میں)

تحریر: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

بعثتِ نبویؐ کے وقت سماجی طبقات کی نوعیت

جس عہد میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی، اس وقت متمدن کہلانے والے انسانی معاشرے تصنع و بناوٹ پر مشتمل طبقاتی تہذیب اور پُرفریب زندگی پر مبنی طرزِ معاشرت کے خوگر بن چکے تھے۔ بے جا تکلّفاتِ زندگی، سفلی خواہشات پر مبنی تعیّشات اور غیر پیداواری سامانِ آرائش و زیبائش کا حصول ان کی سماجی زندگی کا ہدفِ اولین بن چکا تھا۔ چناں چہ معاشرے کے طاقت ور طبقے کی زندگی عالی شان محلات، ناؤنوش کی مجالس اور دولت وفراغت کے بے مقصد ساز وسامان سے عبارت تھی۔ خواہ اس کے حصول کے لیے انسانوں سے جانوروں جیسا معاملہ اختیار کرنے کی نوبت ہی کیوں نہ آ جائے۔ جب کہ اکثریتی طبقہ بنیادی وسائل سے محرومی کی تصویر بن کر اپنی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اعلیٰ طبقے کی نقالی کی کوشش میں وہ اپنے لیے ذہنی اور نفسیاتی پریشانیوں کا ایک اور وسیع وعریض در کھولے ہوئے تھا۔ جس کے سبب وہ اپنے ربّ کے تصور سے ہی ناآشنا ہو گیا۔ نتیجتاً وہ اپنے آپ کو بھی فراموش کر چکا تھا۔

گویا انسانی سماج کا طرزِ زندگی، سرمایہ پرستی کی ہول ناکی وسرکشی اور افلاس کی خود فراموشی اور بے چارگی کا نمونہ بن کر رہ گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اعلیٰ اَخلاق اور زندگی کی بلند پایہ اقدار، ناقابلِ عمل تصورات کا درجہ اختیار کر گئے تھے۔ وسائل واختیارات پر قابض عناصر کے لیے یہ امر دقیانوسی خیال ہوتا تھا کہ وہ اعلیٰ اَخلاقی اصولوں کے بارے میں کچھ غور وفکر کر سکیں۔ جب کہ وسائل سے تہی دامن افراد کو زندگی کی تلخیاں اور مشکلات اس امر کی مہلت نہیں دیتی تھیں کہ وہ روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی کے علاوہ کسی اور معاملے کے بارے میں سوچ بچار کر سکیں۔

اس عہد کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر

اس عہد کی طرزِ معاشرت کی عکاسی کرتے ہوئے برِعظیم کے ممتاز مفکر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (1762ء) رقم طراز ہیں:

www.rahimia.org

"إعلم أنّ العجم والروم لمّا توارثوا الخلافة قرونا كثيرة، وخاضوا في لذّة الدنيا، و نسوا الدّار الآخرة، و استحوذ عليهم الشيطان، تعّمقوا في مرافق المعيشة، وتباهوا بها و ورد عليهم حكماء الآفاق يستنبطون لهم دقائق المعاش و مرافقه، فمازالوا يعملون بها و يزيد بعضهم على بعض و يتباهون بها حتى قيل: إنهم كانوا يعيّرون من كان يلبس من صناديدهم منطقة أو تاجا قيمتها دون مائة ألف درهم، أولا يكون له قصر شامخ وآبزن وحمام و بساتين، ولا يكون له دواب فارهة و غلمان حسان، ولا يكون له توسع في المطاعم و تجمل في الملابس، و ذكر ذلک يطول، وماتراه من ملوک بلادک يغنيک عن حكاياتهم." (1)

یعنی ''صدیوں سے مختلف اقوام پر حکومت کرتے کرتے، دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یک سر فراموش کرنے اور شیطان کے غالب آنے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں (کے بالا دست طبقے) نے زندگی کی آسانیوں (سامانِ آرائش) میں بڑی باریک بینی پیدا کر لی تھی۔ اور اس میں فخر آمیز مسابقت کی کوشش کرنے لگے تھے۔ اور دنیا کے مختلف گوشوں اور علاقوں سے ان کے پاس ایسے ماہرینِ فن جمع ہو گئے تھے، جو زندگی اور اس کے سامانِ تعیش میں نزاکت و نفاست پیدا کرتے تھے۔ وہ اس پر لگا تار گامزن رہتے۔ اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں اضافے اور جدتیں پیدا کرتے رہتے۔ اور اس کو قابل فخر گردانتے تھے۔ حتیٰ کہ طبقاتی طرزِ معاشرت اتنا بلند ہو گیا تھا کہ ان کی مقتدرہ میں کسی کا ایک لاکھ درھم (تقریباً ایک ٹن 975 کیلوگرام چاندی کی مالیت) سے کم کا کمربند یا تاج پہننا تک سخت معیوب گردانا جاتا تھا۔ اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارے، باغات، خوش اندام جانور اور خوب صورت نوکر چاکر نہ ہوتے، کھانے میں طبقاتی تکلّفات اور لباس و پوشاک میں غیر معمولی زیب و زینت نہ ہوتی تو اس کی کوئی سماجی حیثیت نہ ہوتی۔ یوں تو اس کی تفصیل بہت طویل ہے، تاہم جو کچھ تم اپنے ممالک (برعظیم ہند و ہمسایہ سلطنتوں) کے بادشاہوں کا حال دیکھتے ہو، وہی عہدِ نبویؐ کے ان بادشاہوں کی حالت قیاس کرنے کے لیے کافی ہے۔''

مندرجہ بالا اقتباس میں رومیوں، ایرانیوں اور برعظیم ہند کے زوال یافتہ مغلیہ نظام کے سماج کی جو تصویر کشی کی گئی ہے، وہ آج کی تیسری دنیا اور بالخصوص مسلم دنیا کے سماج کی ہی کہانی معلوم ہوتی ہے۔

رسول اللہؐ کی بعثت کا مقصد

انسانوں کی اس عالم گیر طبقاتی تقسیم کے پس منظر میں رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری ہوتی ہے۔ اور آپؐ

ایک صحت مند نظامِ حیات اور باہمی تعاون پر مبنی سماجی نظام کی داغ بیل ڈالتے ہیں۔ چناں چہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''فلما عظمت هذه المصيبة واشتد هذا المرض، سخط الله عليهم والملائكة المقربون، وكان رضاه تعالى فى معالجة هذا المرض بقطع مادته، فبعث نبيا اميا صلى الله عليه وسلم لم يخالط العجم والروم ولم يترسم برسومهم، وجعله ميزانا يعرف به الهدى الصالح المرضى من الله من غير المرضى، وأنطقه بذم عادات الأعاجم و قبح الإستغراق فى الحياة الدنيا والإطمئنان بها، و نفث فى قلبه أن يحرّم عليهم رؤس ما اعتاده الأعاجم و تباهوا بها كلبس الحرير والقسى والأرجوان واستعمال أوانى الذهب والفضة وحلى الذهب غير المقطع والثياب المصنوعة فيها الصور و تزويق البيوت و غير ذلک، و قضى بزوال دولتهم بدولته و رياستهم برياسته وبأنه: ''هلک كسرى فلا كسرى بعده وهلک قيصر فلا قيصر بعده.'' (2)

یعنی ''جب یہ انسانیت گیر مصیبت بڑھ گئی اور طبقاتی مرض نے شدت اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتے ایسے عناصر پر ناراض ہوئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا منشا، یہ ہوا کہ اس (لاعلاج طبقاتی) مرض کی جڑ کو ہی کاٹ کر علاحدہ کر دیا جائے۔ چناں چہ اس نے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ جنھوں نے کبھی ایرانیوں اور رومیوں سے میل جول نہ رکھا تھا۔ اور نہ ہی ان کے فاسد اور طبقاتی رسوم و قوانین اپنائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پسندیدہ صالح نظامِ زندگی کے ناپسندیدہ اور فاسد سماجی نظام سے امتیاز کے لیے معیار اور پیمانہ قرار دیا۔ اور ان کو عجمیوں کے (ناپسندیدہ طبقاتی) طرزِ عمل کے خلاف قوتِ بیان عطا کی۔ اور اجتماعی اَخلاق سے گری ہوئی مادی اور طبقاتی زندگی میں اِنہاک اور اس کو قابلِ اطمینان جاننے کو فرسودہ اور برا قرار دیا۔ اور ان کے دل میں یہ بات راسخ کر دی کہ وہ عجمیوں کے طبقاتی اور فاسد طرزِ معاشرت کی اُن بنیادی اشیا کو حرام قرار دیں، جن پر انھیں گھمنڈ اور غرور ہے۔ مثلاً ریشمی لباس، اَرغوانی کپڑے، سونے چاندی کے برتن، سونے کے زیورات، تصاویر سے مزیّن کپڑے اور مکانات کی بے جا آرائش و زیبائش وغیرہ۔ اور اللہ نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ آپ کی حکومت کے ذریعہ ان (روم وفارس) کی (عالمی طبقاتی) حکومتوں کو ختم کرے۔ اور آپ کی قیادت کی بدولت ان کی لیڈرشپ کو تباہ کرے۔ اور کسریٰ ہلاک ہوگا۔ پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ اور قیصر ہلاک ہوگا۔ اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔''

چناں چہ رسول اکرم ﷺ نے فاسد سماجی نظام کا انسداد کر کے ایسے نظامِ حیات سے دنیا کو روشناس کرایا، جس

میں افراط وتفریط کی بجائے مساوات وتوازن کو اساس قرار دیا گیا۔

طبقاتی سماج کی حوصلہ شکنی

چناں چہ آپؐ نے ہر ایسے عمل کی نتیجہ خیز حوصلہ شکنی کی، جس سے صالح نظام کا حسنِ توازن مجروح ہوتا ہو یا اس سے فاسد اذہان میں طبقاتی فکر کی آب یاری ہوسکتی ہو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

''إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج فرأى قبة مشرفة. فقال: ماهذه؟ قال له أصحابه: لفلان رجل من الأنصار. قال: فسكت وحملها في نفسه حتى إذا جاء صاحبها رسول الله صلى الله عليه وسلم يسلّم عليه في الناس، أعرض عنه: صنع ذلک مرارا حتى عرف الرجل الغضب فيه والإعراض عنه، فشكا ذلک إلى أصحابه. فقال: والله إني لأنكر رسول الله صلى الله عليه وسلم. قالوا: خرج فرأى قبتک، فرجع الرجل إلى قبته فهدمها حتى سوّاها بالأرض، فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فلم يرها، فقال: ما فُعلت القبة؟ قالوا: شكا إلينا صاحبها إعراضک عنه، فأخبرناه فهدمها، فقال: ''أَمَا أَنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَ بَالٌ عَلٰى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا إِلَّا مَالَا'' يعني مالا بدمنه. (3)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ ایک روز گھر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ کہ آپ نے ایک قبہ (گنبد دار مکان) دیکھا۔ جو (دیگر مکانات کے مقابلہ میں) نمایاں بنا ہوا تھا۔ آپ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ: ''یہ کیا ہے؟'' انھوں نے بتایا کہ فلاں انصاری کا (تعمیر کردہ) ہے۔ آپ خاموش رہے۔ اور بات دل میں ہی رکھی۔ یہاں تک کہ اس کا مالک آ گیا۔ اس نے لوگوں کی موجودگی میں آپؐ کو سلام کیا۔ مگر آپؐ نے توجہ نہ دی۔ اس نے کئی مرتبہ ایسا کیا۔ یہاں تک کہ اس شخص کو آپؐ کی ناراضگی اور بے التفاتی کا علم ہوگیا۔ اس نے اس کا تذکرہ آپؐ کے صحابہؓ سے کیا۔ اور کہا کہ: ''بخدا میں رسول اللہ ﷺ کو ناراض محسوس کر رہا ہوں (اس کی کیا وجہ ہے؟)'' صحابہؓ نے بتایا کہ: ''آپؐ گھر سے باہر تشریف لائے تو تمہارا گنبد دار مکان دیکھا۔ (اور اس کی بابت دریافت کیا تھا۔) اسی وقت وہ صاحب اپنے مکان کی طرف گئے۔ اور اسے منہدم کر کے زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔ بعد ازیں کسی موقعے پر رسول اللہ ﷺ ایک روز تشریف لے جا رہے تھے تو آپؐ نے وہ مکان نہ دیکھا تو دریافت فرمایا کہ: ''مکان کا کیا بنا؟'' صحابہؓ نے بتایا کہ: ''اس کے مالک نے آپ کی بے التفاتی کا تذکرہ کیا تھا تو ہم نے اس کو حقیقت حال بتائی تو اس نے اسے منہدم کر دیا۔'' اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ہر تعمیر اس کے مالک کے لیے وبال ہے۔ سوائے اس کے، جس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو۔''

گویا نہ صرف بے جا تعمیرات، بلکہ بطورِ خاص ایسی تعمیرات، جس سے کسی کی نمایاں حیثیت کا تأثر ملے، اسلام کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں۔ کہ اس سے انسانوں کے مابین سماجی امتیازات کو راہ مل سکتی ہے۔

سماجی ہم آہنگی اور غیر طبقاتی طرزِ معاشرت کا اہتمام

رسول اکرم ﷺ نے انسانی معاشرے میں ہم آہنگی کا یہاں تک اہتمام فرمایا کہ آپؐ نے ماتحت افراد اور جنگوں میں گرفتار ہو کر قیدی بننے والوں کی بابت ان کی دیکھ بھال کے ذمہ دار نگرانوں کو حکم دیا:

''إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ.'' (4)

ترجمہ: ''تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ لہٰذا جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو، تو وہ اس کو وہی کھلائے، جو وہ خود کھائے۔ اور وہی پہنائے، جو وہ خود پہنے۔''

چناں چہ ان ہدایات پر عمل کرنے سے معاشرے میں یکساں طرزِ معاشرت اس حد تک فروغ پا گئی کہ بعض صحابہ کرامؓ نے تو اپنے اور اپنے ماتحت غلاموں کے لباس بالکل ایک جیسے بنا لیے۔ جیسا کہ حضرت معرورؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ''ربذہ'' میں اس حالت میں ملا کہ ان کا اور ان کے غلام کا لباس ایک جیسا تھا۔

اسی طرح عبادہ بن ولید راوی ہیں کہ میں حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے ملا۔ ان کے ہمراہ ان کا غلام بھی تھا۔ جس نے دستاویزات کا ایک پلندہ اٹھایا ہوا تھا۔ ان دونوں کے بدن پر ایک جیسی چادر اور ایک جیسا معافری نامی کپڑا تھا۔ اور ان دونوں حضرات نے اس کی وجہ، مذکورہ بالا ارشاد کی تعمیل قرار دیا تھا۔ (5)

یہ درست ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اور وہ معاشرے کے تمام افراد کے پاس رزقِ حلال کی یکسانیت کی بجائے اس میں تنوّع اور توازن کا قائل ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (6)

ترجمہ: ''ہم نے ان (انسانوں) کے مابین دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کو تقسیم کر دیا ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر کئی درجہ فضیلت دی ہے۔ تا کہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔''

لیکن یہ ضرور چاہتا ہے کہ طرزِ معاشرت غیر طبقاتی ہو۔ اور اس میں زیادہ سے زیادہ مساوات ہو۔

طبقاتی طرزِ معاشرت کی خرابیاں

اس لیے کہ جس معاشرے کے بعض افراد کا طرزِ حیات بہت اونچا ہو کہ ان کے دسترخوان پر قسم قسم کے نفیس

www.rahimia.org

کھانے، ان کے جسموں پر متنوع قیمتی و فاخرانہ لباس اور ان کی رہائش کے لیے قیمتی فرنیچر سے مرصع شان دار بنگلے اور کوٹھیاں ہوں اور دیگر افراد کا سماجی نظام اتنا پست ہو کہ ان کے پاس جسمانی ضرورت کے مطابق خوراک و لباس اور خانگی ضرورت کے مطابق مکانات نہ ہوں تو ایسے معاشرے میں طرح طرح کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مفاسد جنم لیتے ہیں۔ اور اس کو کھوکھلا و بودا بنا کر تباہی و بربادی سے ہم کنار کر دیتے ہیں۔ کیوں کہ فاسد اور طبقاتی سماج میں پسماندہ افراد، جن کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اپنی ضروریاتِ زندگی کے معیار کو بہتر بنانے کے لیے اپنے پست طرزِ معاشرت کو بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس میں جائز طریقوں سے آگے بڑھنے کے صالح نظام نہ ہونے کی بنا پر خوشامد، وعدہ خلافی، جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی، چوری و ڈاکہ زنی اور عصمت فروشی جیسی بدعنوانیوں اور ناجائز طریقوں کو اختیار کر لیتے ہیں۔

اسی طرح پرتعیش طرزِ معاشرت رکھنے والے طبقے کے اندر فخر و غرور اور تکبر جیسا تمدن دشمن مرض جنم لیتا ہے۔ اور وہ کمزور سماجی طبقات کے ساتھ حقارت آمیز اور ناروا سلوک کرتے ہیں۔ اور یوں نہ صرف ظلم و جبر، استحصال و تشدد، منافقت و ریاکاری اور الوہیت (ذہنی غلام بنانے) و ملوکیت (سماجی جبر پیدا کرنے) جیسی بنیادی خرابیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، بلکہ کمزور سماجی نظام کی وجہ سے جنم لینے والی برائیوں کے ذمہ دار اور آبیاری کرنے والے بھی یہی عناصر ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے "**النّاس علی دین ملوکھم**" کہ عوام اپنے بالادست طبقہ کے طرزِ حیات پر ہوتے ہیں۔

اور قرآن حکیم نے اسی طبقے کو کسی بھی تمدن کی تباہی کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۝ (7)

ترجمہ: ''اور جب ہم کسی بستی کو (کسی اجتماعی گناہ کے سبب) ہلاک کرنے کا ارادہ کریں تو اس کے آسائش پرست طبقے کو (قوانین فطرت کی پاس داری کا) حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ لوگ اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ تو ان کے ذمے بات ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر ہم اس بستی کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔''

آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (1949ء) رقم طراز ہیں:

''جب بداعمالیوں کی بدولت کسی بستی کو تباہ کرنا ہوتا ہے، تو یوں ہی دفعتاً پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتے۔ بلکہ اِتمامِ حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے۔ اول پیغمبر یا اس کے نائبین کی زبانی خدائی اَحکام ان کو پہنچائے جاتے ہیں۔ خصوصاً وہاں کے اُمرا اور بارسوخ لوگوں کو ــــ جن کے ماننے نہ ماننے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے ــــ آگاہ کیا جاتا ہے۔ جب یہ بڑی ناک والے سمجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے ہیں اور کھلے بندوں نافرمانیاں کر کے تمام بستی کی فضا کو مسموم و مکدر بنا دیتے ہیں، اس وقت وہ بستی اپنے کو علانیہ مجرم

www.rahimia.org

ثابت کر کے عذابِ الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے۔'' (8)

قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر اسی عیش پرست طبقے کو سماج میں صحت بخش تبدیلی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (9)

ترجمہ: ''اور ہم نے کسی بھی بستی میں انجامِ بد سے خبردار کرنے والا (پیغمبر) نہیں بھیجا، مگر وہاں کے آسائش پرست عناصر ان سے کہنے لگے کہ ''ہم تمہارے ذریعے بھیجے گئے پیغام کو نہیں مانتے۔''

گویا ان کی تعیش پسند روش اور طبقاتی سوچ، قبولِ حق کے لیے سدِّ راہ ثابت ہوئی۔

طبقاتی سماج کے مظاہر کی ممانعت

اسی بنا پر رسول اکرم ﷺ نے ایک غیر طبقاتی اور متوازن نظامِ حیات کی داغ بیل ڈالنے اور اس میں افراط و تفریط کو روکنے کے لیے بطورِ نمونہ چند چیزوں کے استعمال کی ممانعت کا ذکر کر کے دینِ فطرت کے معتدل نظام کے خدوخال واضح کیے۔ اسی کے ساتھ آپ نے بعض سماجی حقوق کی نشان دہی کی۔ تا کہ اس طرح کے سماجی حقوق کے اہتمام سے غیر طبقاتی طرزِ معاشرت کو استحکام بخشا جا سکے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نهانا النبی صلی الله علیه وسلم عن سبع: نهى عن خاتم الذهب أو قال حلقة الذهب وعن الحرير، والإستبرق، والديباج، والميثرة الحمراء، والقسی، وآنية الفضة. وأمرنا بسبع: بعيادة المريض، و إتباع الجنائز، و تشميت العاطس، و رد السلام، و إجابة الداعی، و ابرار المقسم، ونصر المظلوم." (10)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کے استعمال سے منع کیا۔ (جو فاسد نظام کی نمائندہ علامات ہیں) (۱) سونے کی انگوٹھی یا چھلہ۔ (۲) ریشمی کپڑے۔ (۳) دبیز ریشمی لباس۔ (۴) وہ کپڑا، جس کا تانا بانا ریشم کا ہو۔ (۵) (امتیازی نوعیت کے) نرم و نازک سرخ گدے۔ (۶) چاندی کے تاروں سے بنے ہوئے کپڑے۔ (۷) چاندی کے برتن۔ اور آپ نے ہمیں سات امور کے بجا لانے کا حکم دیا۔ (جو اسلام کے انسانیت پرور نظام کی علامتی نمائندگی کرتے ہیں) (۱) بیمار کی عیادت۔ (۲) جنازوں کے ساتھ چلنا۔ (۳) چھینکنے والے کو جواب دینا۔ (۴) سلام کا جواب دینا۔ (۵) دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنا۔ (۶) قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنا۔ (۷) مظلوم کی امداد کرنا۔''

مذکورہ حدیث میں جن اشیا کے استعمال کی ممانعت کی گئی ہے، وہ درحقیقت پُرتعیش اور طبقاتی طرزِ معاشرت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور یہ ممانعت محض ان اشیا تک محدود نہیں، بلکہ حدیث کے مفہوم کے دائرہ میں (جس کو اصول فقہ

www.rahimia.org

کی اصطلاح میں ''دلالۃ النص'' کہا جاتا ہے) ایسی تمام اشیا کے استعمال سے گریز لازمی قرار پاتا ہے، جو انسان میں غیر صحت مندانہ طرزِ معاشرت کو فروغ دیں۔ اور ان میں تعیش پسندی کا مزاج پیدا کریں۔ جن کو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، رفاہیتِ بالغہ کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔

تعیش پسندی کی خرابیاں

اس تعیش پسندی کی وجہ سے ایک طرف حالات سے مقابلہ کرنے اور جدوجہد کرنے کی وہ انسانی فطری صلاحیت کمزور ہو جاتی ہے، جو اس کی سرشت میں ودیعت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (11)

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا۔''

اور دوسری طرف معاشرے میں سرمایہ پرستی کی ہوس پر مبنی تباہ کن طرزِ معاشرت جنم لیتا ہے۔ جو انسانی سماج میں فساد کا باعث بنتا ہے۔ اسی بنا پر رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَحَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ. (12)

ترجمہ: ''حرص و ہوس سے بچو! کہ اسی نے تم سے پہلے قوموں کو تباہ و برباد کیا۔ اور اسی نے لوگوں کو اس پر اُبھارا کہ وہ انسانوں کے خون بہائیں۔ اور حرام امور کو حلال و جائز تصور کریں۔''

چناں چہ آج ہوس و حرص پر مبنی طبقاتی نظام نے معاشرے میں ''ھل من مزید'' (مزید دولت و اختیارات کے حصول کی ہوس) کے جہنم کی آگ دھکائی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے اجتماعی وسائل گروہی مفادات کی نذر ہو کر رہ گئے ہیں۔ جس نے معاشرے میں استحصال کو کلچر بنا دیا ہے۔ اور اس کو ہمارے نظامِ ریاست کا غیر معمولی حصہ بھی بنا دیا ہے۔ کیوں کہ طبقاتی فکر پر مبنی پُرتعیش طرزِ معاشرت کو اختیار کرنے یا اس کو برقرار رکھنے کے لیے جب دستیاب وسائل ناکافی محسوس ہوتے ہیں تو لامحالہ اختیارات و بالادستی کا ناجائز استعمال اس فاسد راہ کا انتخاب کرتا ہے۔ اسی بنا پر رسول اکرم ﷺ نے بدعنوانی اور رشوت کے لین دین کو آتش گیر مادہ قرار دیا۔ کہ نہ صرف اس سے انسانوں کے سماجی تعلقات پر مبنی تمدن بھسم ہو کر رہ جاتا ہے، بلکہ اس جرم کے مرتکب افراد کا اپنا وجود بھی آگ کے شعلوں کی نذر ہو جاتا ہے، جس کے تعیش کے لیے اس راہِ بد کا انتخاب کیا گیا تھا۔

طبقاتی نظام کے تمدنی، سماجی، معاشی اور اَخلاقی نقصانات

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ طبقاتی نظام کی کوکھ سے جنم لینے والے پُرتعیش طرزِ معاشرت کی تفصیلات کے تذکرہ کے بعد اس کے تمدنی، سماجی، معاشی، اَخلاقی اور روحانی نقصانات کا تذکرہ جن الفاظ میں کرتے ہیں، وہ نہ صرف عہدِ

www.rahimia.org

جاہلیت کی تصویر کشی کرتے ہیں، بلکہ موجودہ دور کے طبقاتی معاشروں کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"و تولّد من ذلک داء عضال دخل فی جمیع أعضاء المدنیة، وآفة عظیمة لم یبق منهم أحد من أسواقهم ورستاقهم وغنیهم و فقیرهم إلا قد استولت علیه، وأخذت بتلابیبه، وأعجزته فی نفسه، وأهاجت علیه غموما و هموما لا إرجاء لها، و ذلک أن تلک الأشیاء لم تکن لتحصل إلا ببذل أموال خطیرة، ولا تحصل تلک الأموال إلا بتضعیف الضرائب علی الفلّاحین والتجّار وأشباههم والتضییق علیهم، فإن امتنعوا قاتلوهم وعذبوهم، وإن أطاعوهم جعلوهم بمنزلة الحمیر والبقر یستعمل فی النضح والدیاس والحصاد ولا تقتنی إلا لیستعان بها فی الحاجات، ثم لا تترک ساعة من العناء حتی صاروا لا یرفعون رؤسهم إلی السعادة الأخرویة أصلا ولا یستطیعون ذلک، ربما کان إقلیم واسع لیس فیهم أحد یهمه دینه، ولم یکن لیحصل أیضا إلا بقوم یتکسبون بتهیئة تلک المطاعم والملابس والأبنیة وغیرها، و یترکون أصول المکاسب التی علیها بناء نظام العالم، وصارعامة من یطوف علیهم یتکلفون محاکاة الصنادید فی هذه الأشیاء، وإلا لم یجدوا عندهم حظوة ولا کانوا عندهم علی بال." (13)

یعنی ''بالادست طبقے کی وسائل کے بے جا اور غیر پیداواری استعمال کی اساس پر مبنی پُرتعیش زندگی سے ایسے خطرناک معاشی و معاشرتی مرض نے جنم لیا، جو سماجی زندگی کے ہر ایک شعبے میں داخل ہوگیا۔ اور (انسانیت کش فاسد نظام کی صورت میں) ایسی بڑی مصیبت رونما ہوگئی کہ کوئی شہری، کوئی دیہاتی، کوئی امیر اور کوئی غریب ایسا نہ رہا کہ جو اس سے دوچار نہ ہوا ہو۔ اور ہر شخص اس کے علاج سے اپنے آپ کو عاجز سمجھنے لگا۔ اور اس پر ایسی پریشانیوں اور غموں نے حملہ کر دیا، جو ٹلنے والی نہ تھیں۔

اس خطرناک مرض اور ہمہ گیر مصیبت کا سبب یہ تھا کہ سامانِ عیش و عشرت، بیش بہا دولت صرف کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور ایسی دولت کا حصول اسی طرح ممکن تھا کہ زراعت پیشہ، تجارت پیشہ اور دیگر پیداواری طبقات پر عائد ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا جائے۔ اور ان کی زندگی اجیرن کر دی جائے۔ پھر اگر وہ ٹیکس کی ادائیگی سے انکار کرتے تھے تو حکمران طبقہ ان کے خلاف پُرتشدد کارروائی کرتا تھا۔ اور انھیں سزائیں دیتا تھا۔ اور اگر وہ ان کے ظالمانہ قوانین کی اطاعت کرتے تو وہ انہیں زیر بار کرتے کرتے ایسے گدھوں اور بیلوں کے درجے تک پہنچا دیتے، جن سے آبپاشی، فصل کاٹنے اور گاہنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اور جن کو صرف اس لیے زندہ رکھا جاتا ہے کہ ان سے مختلف کاموں میں فائدہ اٹھایا جائے۔ پھر ان کو اس جبری مشقت سے ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں ملتی یہاں تک کہ ان کی کیفیت یہ ہوگئی کہ وہ اپنی اُخروی اور

www.rahimia.org

اَبدی سعادت کے حصول کی جانب بالکل توجہ نہ دے پاتے۔ اور (نہ صرف یہ، بلکہ) وہ اس کی استطاعت (صلاحیت) سے ہی محروم ہو جاتے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وسیع وعریض خطے میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہوتا، جس کو اپنے دین (اعلیٰ نظریات واَخلاقی اَقدار) کا کوئی خیال ہو۔''

پھر پُرتعیش اور طبقاتی طرزِ معاشرت کا حصول و بقا ایسے افراد کے بغیر بھی ممکن نہیں، جو متنوع کھانے تیار کرنے، پُرشکوہ لباس کی خراش تراش اور عالی شان محلات تعمیر کرنے کا پیشہ اختیار کریں۔ اور ان بنیادی پیداواری شعبوں کو نظرانداز کر دیں، جن پر انسانی سماج کے نظام کی ترقی کا دارومدار ہے۔ پھر پُرتعیش طرزِ زندگی کی یہ مصیبت معاشرے کے بالائی طبقے تک ہی محدود نہیں رہتی، بلکہ ان سے تعلق رکھنے والے عوام کو بھی ان چیزوں میں اُمرا کی ریس کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ انھیں ان کے ہاں عزت واحترام نصیب نہیں ہوتا۔ اور نہ ان کے ہاں کوئی اہمیت ہوتی ہے۔

دولت کی نمود و نمائش کی ممانعت

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تکاثر یعنی تفاخر کے جذبے کے تحت اپنی دولت کو نمود و نمائش کے اظہار کے طور پر خرچ کرنے اور حرص و ہوس پر مبنی مقابلے کے جذبے کے تحت حصولِ دولت میں اپنے تمام تر جائز و ناجائز ذرائع جھونک دینے کی کسی طور اجازت نہیں دی۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ (14)

ترجمہ: ''تم کو باہمی کثرت کے مقابلے نے غفلت میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جادیکھا۔''

درحقیقت تکاثر اور تفاخر کا مرض، سماج کے طرزِ معاشرت کو ناہموار بنا کر ان کے درمیان نفرت کی خلیج حائل کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر انسانی معاشرے کے طرزِ زندگی کو تعیش اور نمود و نمائش سے محفوظ رکھنے کے لیے اِسراف وتبذیر سے منع کیا گیا۔ مالی امور میں اِسراف، جائز مواقع پر اِخراجات میں تمام حدود سے تجاوز کرنے کو کہا جاتا ہے۔ جب کہ تبذیر، وسائل کے بے جا ضیاع کا دوسرا نام ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ (15)

ترجمہ: ''کھاؤ، پیو اور حد سے زیادہ خرچ مت کرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ (16)

ترجمہ: ''اور بے جا مال مت خرچ کرو۔ بلاشبہ بے جا مال اُڑانے والے، شیاطین کے بھائی بند

ہیں۔ اور شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔''

یعنی کوئی شخص نہ تو اپنے زیر تصرف وسائل کو بے جا مواقع اور غلط مصارف میں خرچ کرنے کا مجاز ہے اور نہ جائز و درست مصارف میں خرچ کرتے وقت حدِ اعتدال سے تجاوز کر سکتا ہے۔ کیوں کہ اسی اِسراف و تبذیر سے ہی معاشرے میں طبقاتی سماج کو برگ و بار لانے کا موقعہ ملتا ہے۔ اور معاشرے میں بے چینی کے اسباب پنپتے ہیں۔

سماجی استحصال روکنے کے لیے سود کی ممانعت

سماجی زندگی کو مساویانہ اصول پر قائم رکھنے اور معیشت میں محنت کے عمل کو بنیادی اہمیت پر قائم رکھنے کی خاطر ہی اسلام نے استحصال کی منظّم اور معروف صورت، یعنی سودی کاروبار کو مکمل طور پر حرام قرار دیا۔ اور یہ وہ واحد سنگین ترین جرم ہے، جس کے ارتکاب کو اللہ و رسول سے اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (17)

ترجمہ: ''اگر تم نے سودی کاروبار ترک نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ ہے۔''

دراصل استحصالی معیشت اور سودی کاروبار کے فروغ سے سماج مستقل طور پر طبقاتی طرزِ معاشرت اختیار کر لیتا ہے۔ کہ ایک طبقہ پیداواری عمل میں شرکت کیے بغیر جب دولت کا مالک بن بیٹھتا ہے تو اس کا پرتعیش طرز معاشرت اختیار کرنا طبقاتی تقاضہ بن جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا طبقہ سود کی ادائیگی کے چکر میں اس طرح اُلجھتا ہے کہ وہ دن بدن معاشی طور پر لاغر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور پست طرزِ معاشرت کی وجہ سے وہ اپنے بنیادی اَخلاقی اَوصاف کھو بیٹھتا ہے۔

غیر طبقاتی سماج کے قیام کے لیے ایک جامع ضابطۂ عمل

فاسد سماجی نظام اور طبقاتی طرز معاشرت کے انسداد کے لیے قرآن حکیم اور اسوۂ حسنہ نے اس کے بنیادی محرک تکبر اور فخر و غرور کی سخت مذمت کی ہے۔ کہ اس کے نتیجے میں انسانی معاشرے کی مساوات ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ جو سماجی حقوق کے انکار کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن حکیم نے غیر طبقاتی سماج کے قیام کے لیے ایک جامع ضابطۂ عمل بتایا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ (18)

اس آیتِ مبارکہ میں جن بنیادی امور کی نشاندہی کی گئی ہے، وہ یہ ہیں:

1۔ اللہ کی بندگی کی جائے۔ جس کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ انسان غیر اللہ کی ہر قسم کی ذہنی غلامی کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ جس کے نتیجے میں طبقاتی نظام کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے۔

2۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھا جائے۔ کہ اختیارات کی مرکزیت کا عقیدہ ہی انسانوں کو طاقت کے متعدد مراکز کے دعوے داروں کے سامنے بے بسی کے تصورات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور اس کو فکری انتشار سے بچاتا ہے۔

3۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک ناگزیر سماجی تقاضا ہے۔ کہ انسانی معاشرے کی سب سے پہلی اور ناگزیر اکائی، یعنی خاندان کی نشوونما ان کے ذمے ہے۔

4۔ قرابت داروں کے حقوق کا اہتمام ضروری ہے۔ جس میں خاندان کے تمام بنیادی ارکان (جیسے میاں بیوی، اولاد) شامل ہیں۔ مزید برآں انسانی معاشرہ جب پہلی اکائی سے اگلے مرحلے میں داخل ہوتا ہے تو انسان اس کا بھی حصہ بنتا ہے۔ لہٰذا وہ اس غیر طبقاتی معاشرت کی طرف سے عائد فطری ذمہ داریوں کا لحاظ رکھے۔ اور اس کو کسی صورت طبقاتی مفادات کی بھینٹ نہ چڑھنے دے۔

5۔ ابتدائی اور ناگزیر سرپرستی اور نگہبانی سے محروم یتیم بچوں کے حقوق کی حفاظت، سماج کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ تاکہ وہ معاشرے کے لیے مفید اور پیداواری کردار کے حامل افراد بن سکیں۔

6۔ وسائل سے تہی دست افراد کو ایسے وسائل مہیا کیے جائیں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

7۔ قرابت کا تعلق رکھنے والے ہمسایوں (اہل محلّہ سے لے کر درجہ بدرجہ تمام ہم وطن) کے حقوق کی پاسداری کی جائے۔

8۔ اجنبی ہمسایوں کے حقوق کی بھی نگہداشت ضروری ہے۔ خواہ یہ اجنبیت مذہبی حوالے سے ہو یا نسلی حوالے سے، جغرافیائی حوالے سے ہو یا کسی اور سبب سے۔

9۔ شریکِ مجلس اور شریکِ کار کے حقوق بھی ملحوظ خاطر رہیں۔ خواہ ان سے معاشرتی تعلق وقتی نوعیت کا ہی کیوں نہ ہو۔

10۔ اپنے رہائشی علاقوں سے دور ہونے والے مسافروں کے حقوق کی پاسداری بھی انسانی سماج کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1944ء) نے اس ضمن میں بامقصد سیاحت کو بھی شامل کیا ہے۔ کہ قرآن حکیم میں زمین میں چل پھر کر آثار دیکھنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ بایں معنی ایسی سیاحت فرضِ کفایہ کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ لہٰذا اس کا اہتمام کرنے والوں کے اخراجات بھی دیگر مسلمانوں کے ذمے ہیں۔ اس سے مسلم اُمہ میں باہمی دلچسپی کے فروغ کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام کی تدابیر کا بھی علم ہو گا۔ نیز اقوام کی مختلف شعبہ ہائے حیات میں پیش رفت کا اندازہ ہو گا۔ اور ان سے مفید معلومات کا تبادلہ بھی ہو سکے گا۔ اسی بنا پر قرآن حکیم نے سیاحت کے حوالے سے بلاامتیاز مرد وعورت دونوں اصناف کا

www.rahimia.org

ذکر کیا ہے۔(19)

اسی طرح فی زمانہ پروپیگنڈہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اور آج کے زمانے میں جنگ کا بڑا حصہ پروپیگنڈہ کے میدان میں ہی لڑا جاتا ہے۔ اس کے لیے بیرونی وفود کو اپنے صالح نظام کی کامیابیوں کے مطالعہ کے لیے دعوت دینا بہت مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے آنے والوں کو مطلوبہ سہولتیں مہیا کرنا بھی اس ضمن میں شامل ہے۔(20)

11۔ زیردست افراد کو بھی سماجی حقوق سے پوری طرح بہرہ ور ہونے کا موقعہ دینا دینی سماج کے فرائض میں شامل ہے۔

اس جامع ضابطۂ عمل سے انحراف: طبقاتی سماج کی علامت

قرآن حکیم نے ان سماجی حقوق کے تذکرہ کے بعد اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ ان سے انحراف درحقیقت طبقاتی سماج کی علامت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو کسی صورت پسند نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا (21)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ بڑے بننے والوں، تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس کی تفسیر میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''اس شخص نے سوسائٹی سے فائدہ اٹھا لیا۔ اور دوسروں سے کام لیا۔ اور جب اس کی باری آئی تو سوسائٹی سے اکڑ گیا۔ اس کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اگر اس نے سوسائٹی سے فائدہ اٹھایا تو معاوضے کے طور پر اسے بھی سوسائٹی کو فائدہ پہنچانا ہے۔ غرض ہر ایک آدمی اپنی سوسائٹی کو فائدہ پہنچاتا رہے گا تو قوم بنتی رہے گی۔ اور اسی طرح بہت جلدی ترقی کرے گی۔ اور ہر ایک آدمی اپنے شخصی فائدے کو دیکھے گا اور قوم کے مفاد کو اپنے فائدے پر قربان کر دے گا تو یہ طریقہ تمام کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ اس لیے اسے اللہ پسند نہیں کرتا۔(22)

گویا اپنی بڑائی اور بالادستی کے زُعم پر مبنی اپنے ہم جنس دوسرے انسانوں کو کم تر اور حقیر تصور اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ذہنیت بہت سی سماجی برائیوں اور بداَخلاقیوں کی بنیاد ہے۔ حتیٰ کہ یہ سماجی و نفسیاتی طبقاتی مرض، قبولِ حق کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔

طبقاتی بالادستی کے زُعم میں مبتلا لوگوں کی حوصلہ شکنی

طبقاتی بالادستی کے زعم میں مبتلا عناصر پیغمبروں کے مقابلے پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے جیسے بشری اوصاف کے حامل ہونے کے سبب ان کی قیادت کو ناگوار تصور کرتے ہیں۔ کہ اس طرح انھیں عوام الناس کی صف

میں کھڑا ہونا پڑے گا۔ چناں چہ عہدِ نبویؐ کا واقعہ ہے، جس کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''کنا مع النبی صلی اللہ علیه وسلم ستة نفر، فقال المشرکون للنبی صلی اللہ علیه وسلم اطرد هؤلاء لا یجترئون علینا، وکنت أنا وابن مسعود و رجل من هذیل و بلال و رجلان لستُ أسمیهما، فوقع فی نفس رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ماشاء اللہ أن یقع فحدّث نفسه، فأنزل اللہ تعالیٰ:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ'' (52:6)(23)

ترجمہ: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چھ افراد تھے۔ تو ایک بار مشرکین نے قبولِ حق کے لیے پیش کش کی۔ کہ آپ ان افراد کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں۔ تا کہ ان کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے انھیں ہم پر کوئی جرأت نہ ہو۔ اور یہ چھ افراد میں (سعد بن ابی وقاص) عبداللہ بن مسعود، ہذیلی قبیلہ کا ایک شخص، بلال اور دو افراد تھے جن کے نام مجھے معلوم نہیں۔ اس پر جو اللہ نے چاہا، آپؐ کے دل میں آیا۔ اور آپ اس پر غور کرنے لگے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: ''ان لوگوں کو جو صبح و شام اپنے رب کی خوشنودی کے لیے اسے پکارتے ہیں، اپنی مجلس سے نہ اٹھایئے۔''

گویا مشرکین اپنی بلند طرزِ معاشرت اور کبر و غرور کے سبب اس بات کے لیے ذہنی طور پر آمادہ ہی نہ تھے کہ وہ غریب صحابہؓ کے ساتھ کچھ دیر کے لیے ہم نشین ہوں۔ اس لیے انھوں نے ان صحابہ کرامؓ کو مجلس سے اٹھانے کا تقاضا کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو ایسا کرنے سے روک دیا کہ اس سے اسلام کا بنیادی پیغام اور اس کی اساسی شناخت ہی مجروح ہو کر رہ جاتی ہے۔

گزشتہ انبیاؑ بھی طبقاتی سماج کی نفی کرتے رہے

یہ طبقاتیت صرف عہدِ نبویؐ کا کوئی خاص واقعہ نہیں، بلکہ گزشتہ انبیائے کرام کے عہد میں اسی طبقاتی سوچ نے قبولیتِ حق کی راہ مسدود کی۔ چناں چہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے ان کی دعوتِ ایمان کے جواب میں اسی طرزِ فکر کا مظاہرہ کیا۔ قرآن حکیم میں مذکور ہے:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ (24)

ترجمہ: ''ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم آپ کو اپنے جیسا انسان ہی تصور کرتے ہیں۔ یعنی رسول نہیں مانتے۔ اور ہم آپ کے پیروکاروں کو بظاہر حقیر ہی سمجھتے ہیں۔ اور ہم آپ لوگوں کی اپنے

اوپر کوئی فضیلت نہیں پاتے۔ بلکہ تم لوگوں کو جھوٹا خیال کرتے ہیں۔''

اور اس طبقاتی ذہنیت کی بنیادی وجہ ایک گروہ کا اپنے آپ کو دوسروں سے مستغنی سمجھنا اور دوسروں کو اپنا محتاج جاننا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى (25)

ترجمہ: ''ایسا ہرگز نہیں (بلکہ) یقیناً انسان سرکشی اختیار کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے مستغنی تصور کرتا ہے۔''

اس کی تشریح میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں:

''اس سے یہ اشارہ سمجھ میں آتا ہے کہ انسان جماعت کے اندر ہے تو اس کی انسانیت ٹھیک رہتی ہے۔ بعض چیزوں میں وہ دوسروں کا محتاج ہے۔ اور بعض میں دوسرے لوگ اس کے محتاج ہیں۔ اسی طرح سوسائٹی میں برابری کا خیال محفوظ و ملحوظ رہتا ہے کہ لوگ اس کے محتاج ہیں اور یہ لوگوں کا محتاج ہے۔ اور جب اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں انسانی سوسائٹی میں لوگوں کا محتاج نہیں ہوں تو وہ اپنے حد سے بڑھنے لگا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون ایسا بنایا ہے کہ کوئی فرد اپنی نوع سے باہر جا ہی نہیں سکتا...... اور یہ احتیاج اس کی صورت نوعیہ کا تقاضا ہے۔ اور ہر ایک کو دوسرے کا مساوی احتیاج ہے۔ اور مستغنی فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ اس سے سب مانگ رہے ہیں۔'' (26)

قرآن حکیم کی نظر میں طبقاتی ذہنیت کے منفی رویے

قرآن حکیم نے مندرجہ بالا آیت کے علاوہ دیگر کئی مقامات (27) پر بھی طبقاتی ذہنیت کو ''استغنا'' سے تعبیر کیا ہے۔ کہ ایسے عناصر کو تعاونِ باہمی کی پاس داری کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ان کو اپنی علمی و ذہنی ترقی کے صحت منداصول کی کوئی جستجو ہوتی ہے نہ اپنے اَخلاق میں بہتری لانے کی طرف کوئی توجہ ہوتی ہے۔ جب کہ اس کے مقابل اجتماعی ذہنیت کے لیے ''تقویٰ'' اور ''خشية'' جیسے الفاظ کا انتخاب کیا کہ ایسے افراد حد درجہ ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور قانونِ فطرت سے اعراض کرنے کے رویے سے اجتناب برتتے ہیں۔ وہ اس کی پاس داری اپنے ضمیر کے تقاضے کے تحت کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دِہ تصور کرتے ہیں۔

اس طبقاتی ذہنیت کی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے قرآن حکیم نے ''استکبار'' اور ''علو فی الارض'' کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں کہ اپنے آپ کو اور اپنے گروہ کو انسانیت کے اکثر حصہ کے مقابلے میں بالا دست اور بالاتر تصور کرتے ہوئے انھیں علمی اور مادی وسائل سے محروم کر دیا جائے۔ اور یہ اکثریت ''مستضعفین'' کہلاتی ہے۔

قرآن حکیم نے انسان کے منصبِ خلافت پر فائز ہونے پر ابلیس کے حسد کو بھی اس کی طبقاتی ذہنیت کا نتیجہ

قرار دیا۔ چناں چہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے الٰہی حکم کی سرتابی پر جب اللہ تعالیٰ نے اس سے دریافت کیا کہ:

قَالَ يَاإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ۝ (28)

ترجمہ: ''اے ابلیس تمہیں کس چیز نے اس بات سے روکا ہے کہ تم اس کو سجدہ کرو، جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ کیا تم نے غرور کیا یا تم درجہ میں بلند ہو۔''

اس کے جواب میں ابلیس کی طبقاتی ذہنیت آشکار ہو کر سامنے آ گئی۔

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ (29)

ترجمہ: ''اس نے کہا میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ مجھ کو تو نے آگ سے بنایا۔ اور اس کو مٹی سے۔''

چناں چہ ابلیس غرور و تکبر پر مبنی اسی طبقاتی ذہنیت کے سبب راندۂ درگاہ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کر دیا گیا:

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝ (30)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ تم بلاشبہ مردود ہو۔ اور قیامت کے دن تک تم پر میری لعنت ہے۔''

قرآن حکیم نے نہ صرف ابلیس بلکہ اس کے نقش قدم پر چلنے والوں کو بھی اسی ذہنیت کا مالک قرار دیا۔ چناں چہ فرعونی نظام کی اساس یہی ذہنیت تھی۔ جس کی وجہ سے معاشرہ طبقاتی بنیادوں پر تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ قرآن حکیم نے واضح لفظوں میں اس کی نشان دہی کی۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ (31)

ترجمہ: ''یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کی۔ اور وہاں کے باشندوں کے کئی فرقے بنا دیے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ کو اس نے کمزور کر رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا۔ اور ان کی خواتین کو زندہ رہنے دیتا تھا۔''

فرعون کے اس طبقاتی سماج کے خاتمے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے:

اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ (32)

ترجمہ: ''تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، وہ سرکش ہو چکا ہے۔''

رسول اکرم ﷺ کی بعثت پر طبقاتی سماج کے کار پردازوں نے اسی ذہنیت کے سبب ہی آپ کی مخالفت میں

www.rahimia.org

ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ باوجود یہ کہ آپؐ کی بعثت سے قبل ان کا حلفیہ دعویٰ تھا کہ اگر ان کے ہاں بُرے نتائج سے خبردار کرنے والی کوئی شخصیت (نذیر) آئے گی تو وہ تمام قوموں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۙ اِسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ (32)

ترجمہ: ''اور انہوں (قریش) نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا آئے گا تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ پھر جب ان کے پاس خبردار کرنے والا (پیغمبر) آیا تو زمین میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے (طبقاتی ذہنیت) کے باعث ان کی نفرت اور بری چالوں میں اضافہ ہوگیا۔

یہی طبقاتی ذہنیت، انبیاؑ کی دشمنی کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کی پامالی کا باعث بنتی ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان دوسروں کی جان لینا، اُن کی عزت وآبرو پامال کرنا اور ان کے مال ومتاع پر دست درازی کرنا، اپنا طبقاتی حق تصور کرتا ہے۔ یوں اس معاشرے میں اَنارکی کا موجب بنتا ہے۔ چناں چہ طبقاتیت اور تکبر پر مبنی طرزِ معاشرت کے انسداد کے لیے قرآن حکیم نے اس کے مظاہر تک کو ممنوع قرار دے دیا۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (34)

ترجمہ: ''زمین میں اکڑ کر مت چل۔ کیوں کہ (زوردار طریقے سے چلنے سے) تو زمین کو تو نہیں پھاڑ سکے گا۔ اور نہ (تن کر چلنے سے) تو پہاڑوں کی لمبائی تک پہنچ سکے گا۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ (35)

ترجمہ: ''لوگوں کے سامنے گال نہ پھلا۔ (بے رُخی نہ کر) اور زمین میں اِترا کر مت چل۔ اللہ تعالیٰ کسی گھمنڈ کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

اہل ایمان؛ اخوت ومساوات کا مظہر

اس کے برعکس قرآن حکیم نے اہل ایمان کی طرزِ معاشرت کو اخوت ومساوات کا مظہر قرار دیا ہے۔ وہ زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل ان سے الجھنے لگتے ہیں تو وہ ان کو سلام کہتے ہیں۔ (36) (یعنی اچھے انداز

سے الگ ہو جاتے ہیں)۔

حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ نے لباس تک میں متکبرانہ طرز کو ناپسند قرار دیتے ہوئے فرمایا:

مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (37)

ترجمہ: ''جو شخص از راہِ تکبر اپنے کپڑے گھسیٹ کر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے روز (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔''

اسی بات کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح ذکر کیا ہے:

كل ما شئت والبس ما شئت ما خَطِئَتْكَ اثنتان سَرَفٌ أو مَخِيْلَةٌ (38)

ترجمہ: ''جو چاہو، کھاؤ۔ جو چاہو، پہنو۔ مگر دو باتیں تجھے غلطی میں مبتلا نہ کریں: فضول خرچی اور تکبر۔''

چناں چہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اپنے بارے میں تکبر اور طبقاتی ذہنیت کی تاثر کی نفی میں اپنی غیر طبقاتی اور عوامی طرزِ معاشرت کو بطورِ ثبوت پیش کیا۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں:

يقولون لی فِيَّ التِّيَّهُ، وقد ركبتُ الحمارَ ولبستُ الشَّملةَ وقد حلبتُ الشاةَ وقد قال لی رسول الله صلی الله عليه وسلم: مَنْ فَعَلَ هٰذَا فَلَيْسَ فِيْهِ مِنَ الْكِبْرِ شَيْءٌ (39)

ترجمہ: ''لوگوں کا خیال ہے کہ مجھ میں تکبر ہے۔ حال آں کہ میں گدھے پر سوار ہوتا ہوں۔ (جو کہ عام لوگوں کی سواری ہے۔ اور محض شان وشوکت والی سواری استعمال نہیں کرتا۔) موٹا کپڑا پہنتا ہوں۔ (متکبر لوگوں کی طرح صرف نفیس اور قیمتی کپڑے ہی زیبِ تن نہیں کرتا۔) اور بکری کا دودھ دوہتا ہوں۔ (اس کام کو کم حیثیت جان کر اس کے لیے ملازم نہیں رکھے ہوئے۔) اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص یہ سب کام کرتا ہے، اس میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے اور دوسروں کو حقیر گردانے پر مبنی کبر وغرور نام کی چیز نہیں ہوتی۔''

متوازن سماجی نظام کے بنیادی رویے

گزشتہ صفحات میں مذکور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جہاں ان اشیا کا ذکر تھا، جو طبقاتیت اور پُرتعیش طرزِ معاشرت کا سبب بنتی ہیں، وہیں ان امور کا ذکر ہے، جن کا اہتمام متوازن سماجی نظام اور باہمی تعاون پر مبنی طرزِ معاشرت کی نمائندگی کرتا ہے۔ مثلاً

1۔ مریض کی عیادت:

ایک اسلامی سماج میں تمام افراد بلا امتیاز باہم اس طرح منسلک ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی طبعی عذر

کے سبب صحت مند نہ رہے تو سماج کے دیگر افراد اس سے اپنی صحت کے تحفظ کی خاطر یا مرض سے کراہت کے سبب دور رہنے کی بجائے اس کی دل داری کرتے ہیں۔ اور اس کو بیماری کی وجہ سے مرتب ہونے والے نفسیاتی اثرات سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ وہ کسی طور تنہائی و بیزاری کا شکار ہو کر احساسِ کمتری جیسے غیر صحت مند طرزِ فکر کو نہ اپنا لے۔ یوں معاشرے کے صحت مند اور مریض افراد کے مابین سماجی رشتے کو مستحکم رکھنے کی سبیل پیدا ہوتی ہے۔ گویا اس فاسد اور طبقاتی ذہنیت کی نفی کر دی گئی، جس میں افراد کو ساز و سامان یا آلاتِ کار سے زیادہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ کہ جب تک وہ اپنی توانائی معاشرے کی ترقی کے لیے صرف کرتے ہیں، اس وقت تک وہ مفید شہری متصور ہوتے ہیں۔ بصورت دیگر انھیں معاشرے پر بوجھ قرار دے کر الگ تھلگ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ محض ہسپتالوں کے میکانکی نظام کے سپرد ہو جاتے ہیں۔

2۔ جنازے کے ساتھ چلنا:

اسلام جس انسانی سماج کی تشکیل کرتا ہے، اس میں افراد کا تعلق محض دنیوی زندگی تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ اس تعلق کے دائرے کو اس قدر وسعت دی گئی ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کیا جائے۔ اور اس کے جنازے کے ساتھ جا کر اس کی نمازِ مغفرت اور تدفین کا آخری حق ادا کیا جائے۔ نیز اس کے ورثا اور لواحقین کے ساتھ عملاً اظہارِ ہم دردی کیا جائے۔ جس سے معاشرے میں باہمی تعاون کی صحت مند روایت کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ چناں چہ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا وَ يَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ. (40)

ترجمہ: ''جو کوئی حالتِ ایمان میں اور رضائے خداوندی کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور نمازِ جنازہ اور تدفین سے فراغت تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر گھر واپس آئے گا۔ ہر قیراط ایک اُحد کے پہاڑ کے برابر ہو گا۔ اور جو شخص نمازِ جنازہ ادا کر کے دفن سے پہلے لوٹ جائے تو وہ ایک قیراط ثواب کے ساتھ واپس لوٹے گا۔''

3۔ چھینکنے والے کو جواب دینا:

گو چھینکنے کا عمل ایک شخص کا خالصتاً ذاتی اور طبعی فعل ہے، لیکن اسلام نے اس میں بھی اجتماعیت کے پہلو کو ملحوظ رکھا ہے۔ کہ چھینکنے والے کے کلمہ حمد (الحمد للہ) کے جواب میں اس کے لیے رحمت کی دعا (یرحمک اللہ) کی جائے۔ یوں ایک انفرادی فعل کے نتیجے میں بھی افرادِ انسانی باہمی طور پر ایک دوسرے کے لیے رحمت و حالات کی بہتری کی

www.rahimia.org

نوید سنا کر معاشرے کو امن وسکون اور رحمت کا گہوارہ بنانے کا عزم ظاہر کرتے ہیں۔ گویا وہ امور، جو طبعی طور پر انسان کو پیش آتے ہیں ان میں بھی اس امر کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ ان کے ذریعے بھی باہمی ہم دردی اور شفقت جیسی معاشرے کی غیر طبقاتی اجتماعی قدروں کی یاددہانی ہوتی رہے۔

4۔ سلام کا جواب دینا:

درحقیقت سلام کے ذریعہ افراد آپس میں اس معاہدے کی یاددہانی کراتے ہیں جس کے تحت وہ ایک دوسرے کو آزار پہنچانے سے پرہیز کے پابند ہیں۔ یوں اس طبقاتی سوچ کی نفی کرتے ہیں کہ جس کی رو سے افراد سے میل جول کی اساس گروہیت کی بیمار سوچ ہوتی ہے۔ سلام کے باہمی تبادلے سے فریقین کو اطمینان اور دل جمعی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ نیک تمناؤں کا اظہار ہوتا ہے۔ جس سے جانبین میں باہمی محبت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ نے اس کو دوسرے شخص کی معاشی ضرورت پوری کرنے کی طرح اسلام کی بہترین خصلت قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما راوی ہیں:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ. (41)

''ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام کی بھلائی کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ: ''(غریبوں کو) کھانا کھلانا اور کسی شخص سے پہچان ہو یا نہ ہو، اسے سلام کرنا۔''

گویا اسلام کے طرزِ معاشرت کی شناخت میں سلام کا باہمی تبادلہ ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس میں اجتماعیت کی ہمہ گیریت اور غیر طبقاتیت پیش نظر ہوتی ہے۔ اس لیے جانے پہچانے افراد تک سلام کی تخصیص کی نفی کر دی گئی۔

5۔ دعوت قبول کرنا:

رسول اکرم ﷺ نے معاشرتی تعلقات کے استحکام کے لیے دوسرے مسلمانوں کی بلا امتیاز دعوت قبول کرنے کا بھی حکم دیا۔ بشرط یہ کہ وہ کسی ناجائز کام کی نہ ہو۔ جب کہ آپ نے ایسی دعوتِ طعام کی مذمت کی، جو معاشرے میں طبقاتی امتیاز کے اظہار کا ذریعہ بنے۔ اور جس میں صرف دولت مند طبقے کو ہی مدعو کیا جائے۔ چناں چہ آپ نے ارشاد فرمایا:

بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ، يُدْعٰى إِلَيْهَا الْأَغْنِيَاءُ وَ يُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ (42)

ترجمہ: ''برا کھانا ہے اس ولیمہ کا کھانا، جس کے لیے دولت مندوں کو مدعو کیا جائے اور غربا کو ترک کر دیا جائے۔''

www.rahinia.org

عہدِ حاضر میں دعوتِ طعام طبقاتی شان و شوکت اور فاسد گروہی طرزِ معاشرت کا حصہ بن کر رہ گئی ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ اس میں تکلّفات، اِسراف و تبذیر، فیشن اور نام و نمود کے مظاہر اس طرح جزو بن گئے ہیں کہ ایک متوسط فرد کے لیے ان کا نباھنا نہ صرف ایک سماجی مسئلہ بن گیا ہے، بلکہ اس کی معاشی تنگ دستی اور ذہنی دباؤ کا ایک بہت بڑا سبب بھی ہیں۔ گو حکومتی سطح پر شادی کی دعوتوں کے اہتمام کے لیے حدود مقرر کرنے اور اسراف و تبذیر کا راستہ قانونی طور پر روکنے کے عندیے دیے جاتے ہیں۔ مگر فاسد طرزِ معاشرت پر مبنی طبقاتی نظام کے لیے ایسی قانون سازی بے ضرر ہے۔ نتیجتاً بالا دست طبقے کے نام و نمود کے کلچر کے مظاہر معاشرے میں افراد کے طرزِ معاشرت کے مابین ایک بہت بڑی خلیج کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ جن سے بہت سے دیگر معاشی، سماجی اور اَخلاقی مفاسد جنم لے رہے ہیں۔ اور ان کے انسداد کے لیے طبقاتی نظام کے تحلیل کیے بغیر محض قانون سازی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

6۔ قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنا:

جیسا کہ ذکر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو معاشرہ تشکیل دیا، اس میں بظاہر نظر آنے والے انفرادی اعمال کو بھی ایک سماجی اور اجتماعی حیثیت دے دی گئی۔ تا کہ افراد کسی طور پر تنگی سے دوچار نہ ہوں۔ اور ہر وقت انھیں حسن تعاون حاصل رہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی شخص اگر کسی جائز بات پر زور دینے کے لیے یا دوسرے شخص کو یقین دلانے کے لیے قسم کھاتا ہے تو دیگر افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی اس بات کا پاس کریں۔ اور ایسے حالات پیدا نہ کریں کہ وہ اپنی قسم کی خلاف ورزی پر مجبور ہو جائے۔ اور یوں حسن معاشرت کا اہتمام کریں۔

7۔ مظلوم کی مدد کرنا:

اسلام کے عادلانہ نظام کی یہ بنیادی خوبی ہے کہ اس میں افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کی محض تلقین پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ ایسے افراد کی دادرَسی کا نظام قائم کرنے کا حکم دیا گیا، جن پر ظلم ہوا ہو۔ اور ان عناصر کا ہاتھ روکنے کی ہدایت کی گئی جو ظلم پر کمربستہ ہوں۔ درحقیقت معاشرے کا بقا ہی اس پر منحصر ہے کہ اس میں ظالم کا ہاتھ روکنے اور مظلوم کی دادرَسی کا سماجی نظام مضبوط بنیادوں پر استوار ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ (43)

ترجمہ: ''مظلوم کی بد دعا سے بچو کہ اس کے اور اللہ کے مابین کوئی پردہ نہیں ہے۔''

مظلوم افراد کی دادرَسی کے نظام کی اہمیت

اور جس سماج میں مظلوم افراد کی دادرَسی کا نظام کارفرما نہیں ہوتا، وہ زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہتا۔ اس لیے اسلام ہر ظلم کو مٹانے اور ہر حق دار کو اس کا حق دینے کا علم بردار ہے۔ تا کہ کوئی شخص اپنے رب کے دیے ہوئے رزق اور عزتِ نفس سے محروم نہ رہے۔ اور ساری انسانیت اللہ کے کنبہ (الخلق عیال اللہ) کے طور پر اس کی نعمتوں سے

یکساں مستفید ہو۔ مظلوم طبقات کی دادرسی، درحقیقت اسلام کے انسان دوست سماج کی بنیادی پہچان رہی ہے۔ اور قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی جہادی معرکہ آرائیوں کا بنیادی مقصد ظلم کا انسداد اور مظلوموں کی امداد ہوا کرتا تھا۔ اور یہی امر چار دانگِ عالم میں اشاعتِ اسلام کا ذریعہ ثابت ہوا کہ اس کا محرک بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب و جغرافیہ مظلوموں کی دادرَسی تھا۔

عادلانہ سماجی نظام؛ بعثتِ نبویؐ کا ہدف

الغرض رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے عادلانہ سماجی نظام سے دنیا کو روشناس کرایا، جس میں سماج کے تمام عناصر کو باہمی منافرت کے اسباب سے دور رکھ کر ان کے مابین باہمی تعاون کی صحت منداساس پر زیادہ سے زیادہ باہمی تعلق مستحکم کرنے کی حکمت عملی اپنائی گئی۔ اور آپ نے ان تمام بنیادوں کو منہدم کر دیا جو طبقاتی تقسیم اور استحصالی طرزِ معاشرت کے فروغ کا باعث بن کر بہت سی اَخلاقی، سماجی، معاشی اور سیاسی برائیوں کی نشوونما کا موجب بنتی ہیں۔ اور آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ طبقاتی نظام کو بنیادوں سمیت ختم کر کے عدل وتعاون کے فطری اور الہامی اصولوں پر مبنی عادلانہ سماج کی تشکیل کو اپنی دینی ذمہ داری تصور کیا جائے۔ اور اس کی ادائیگی کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اس سمت جدوجہد کی راہ اختیار کی جائے۔

www.rahimia.org

حوالہ جات

1۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، امام: حجۃ اللہ البالغہ، تحقیق، مولانا محمد احسن نانوتوی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ج1، ص305,306

2۔ ایضاً، ج1، ص307,308

3۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام: السنن، باب فی البناء، کتاب السلام

4۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الجامع الصحیح، باب المعاصی من امر الجاھلیۃ، کتاب الایمان

5۔ مسلم بن حجاج النیشاپوری، امام: الصحیح، قصۃ ابوالیسر، کتاب الزھد

6۔ القرآن، سورۃ الزخرف آیۃ نمبر32

7۔ القرآن، سورۃ الاسراء آیۃ نمبر16

8۔ عثمانی، شبیر احمد، مولانا: حاشیہ موضح فرقان، مجمع الملک فھد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ المنورہ، ص376

9۔ القرآن، سورۃ سباء آیۃ نمبر34

10۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الجامع الصحیح، باب خواتیم الذھب، کتاب اللباس

11۔ القرآن، سورۃ البلد آیۃ نمبر4

12۔ مسلم بن حجاج النیشاپوری، امام: الصحیح، باب تحریم الظلم، کتاب البر والصلۃ والآداب

13۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، امام: حجۃ اللہ البالغہ، ج1، ص306,307

14۔ القرآن، سورۃ التکاثر آیات نمبر1,2

15۔ القرآن، سورۃ الاعراف آیت نمبر31

16۔ القرآن، سورۃ بنی اسرائیل آیات نمبر26,27

17۔ القرآن، سورۃ البقرۃ آیۃ نمبر279

18۔ القرآن، سورۃ النساء آیۃ نمبر36

19۔ القرآن، سورۃ التوبہ آیۃ نمبر112، سورۃ التحریم آیۃ نمبر5

20۔ سندھی، عبیداللہ مولانا: قرآنی شعور انقلاب، ترتیب، مولانا بشیر احمد لدھیانوی، رحیمیہ مطبوعات لاہور، 2009ء، ص373

21۔ القرآن، سورۃ النساء آیۃ نمبر36

22۔ سندھی، عبیداللہ مولانا: الفقام المحمود، مکی دار الکتب لاہور، 1997ء، جلد اول، ص581

23۔ النووی، یحیٰ بن شرف: ریاض الصالحین حدیث نمبر258، باب ملاطفۃ الیتیم والبنات الخ

24۔ القرآن، سورۃ ھود آیۃ نمبر27

25۔ القرآن، سورۃ العلق، آیات نمبر6,7

26۔ سندھی، عبیداللہ مولانا: الفقام المحمود، آخری پارہ، صفہ اکیڈمی راولپنڈی، 1995ء، ص157,158

www.rahimia.org

27۔ القرآن، سورۃ عبس آیۃ نمبر 5، سورۃ اللیل آیۃ نمبر 8
28۔ القرآن، سورۃ ص آیۃ نمبر 75
29۔ ایضاً، آیۃ نمبر 76
30۔ ایضاً، آیات نمبر 77,78
31۔ القرآن، سورۃ القصص آیۃ نمبر 4
32۔ القرآن، سورۃ طہٰ آیۃ نمبر 43
33۔ القرآن، سورۃ فاطر آیات نمبر 42,43
34۔ القرآن، سورۃ بنی اسرائیل آیۃ نمبر 37
35۔ القرآن، سورۃ لقمان آیۃ نمبر 18
36۔ القرآن، سورۃ الفرقان آیۃ نمبر 63
37۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام: السنن، باب ما جاء فی اسبال الازار، کتاب اللباس
38۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الجامع الصحیح، باب قول اللہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ الخ، کتاب اللباس
39۔ الترمذی، محمد بن عیسی، امام: السنن، باب ما جاء فی الکبر، ابواب البر والصلہ
40۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الجامع الصحیح، باب اتباع الجنائز من الایمان، کتاب الایمان
41۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الجامع الصحیح، باب افشاء السلام من الاسلام، کتاب الایمان
42۔ النووی، یحیی بن شرف: ریاض الصالحین، بذیل حدیث نمبر 264، باب ملاطفۃ الیتیم والبنات الخ
43۔ الترمذی، محمد بن عیسی، امام: السنن، باب ما جاء فی دعوۃ المظلوم، ابواب البر والصلہ

www.rahimia.org

سیر صحابہؓ

تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر ابرار محی الدین
شعبۂ علومِ اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

حضور اقدس ﷺ قیامت تک کے انسانوں کے لیے ایک ایسا مکمل ضابطۂ حیات لائے تھے، جو انسانی زندگی کے ہر انفرادی و اجتماعی پہلوؤں کے لیے مکمل رہنمائی پیش کرتا ہے۔ اس عالم گیر ضابطۂ حیات کو آپ ﷺ دو شکلوں میں چھوڑ کر گئے تھے۔ ایک کتابُ اللہ اور اس کے ساتھ اُسوۂ رسولؐ۔ دوسرے وہ معاشرہ، جو اِن دو کی بنیاد پر آپؐ نے تعمیر کیا تھا۔ گویا کتاب اللہ اور اُسوۂ رسولؐ اس ضابطۂ حیات کی بنیاد تھی۔ تو اس ضابطۂ حیات کی عملی تعبیر، وہ معاشرہ تھا، جس کی ایک ایک اکائی کو آپ ﷺ نے اپنے خون پسینے سے سینچا تھا۔ اور جسے دنیا ''دورِ صحابہؓ'' یا ''خلافت ِ راشدہ'' کے نام سے جانتی ہے۔

خلافتِ راشدہ کے قائم کردہ معاشرے کی اہمیت

اس معاشرے کو جانچنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اپنے ذہن میں ایک خیالی معاشرے (Utopia) کا تصور تخلیق کریں۔ جس کا وجود صرف حسّی ہو۔ اور اس کی تفصیلات خود ہمارے ذہنوں میں بھی موجود نہ ہوں۔ اور جن کو ہم انسانوں کا نہیں، بلکہ ایسی مخلوق کا معاشرہ تصور کریں، جو ہر قسم کی انسانی خامیوں، بھول چوک، سہو و نسیان اور عقل و فکر کے اختلاف سے پاک ہو۔ جانچ کے اس منہج کی معقولیت کا کوئی صاحبِ نظر قائل نہیں ہوسکتا۔ معاشرے کے جانچنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس معاشرے کو انسانوں کا معاشرہ ہی تصور کریں۔ ایسے انسان، جن میں تمام انسانی خوبیاں خامیاں پائی جاتی تھیں۔ پھر اس معاشرے کی بنیاد پر دنیا کے تمام قدیم و جدید معاشروں کو پرکھیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن اور رسولؐ کی زبان سے ان کے مناقب سنیں۔ تو پھر ہمیں یہ معاشرہ ایسے انسانوں کا معاشرہ نظر آئے گا کہ انبیا کے بعد روئے زمین پر اس معاشرے جیسا کوئی مقدس معاشرہ، نہ ان سے پہلے کسی دور میں دکھائی دے گا، اور نہ ان کے بعد۔ اس معاشرے کی خوبی یہی نہیں کہ وہ معاشرہ تاریخِ انسانیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، بلکہ وہ اس لحاظ سے بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا کہ وہ (صحابہؓ) اپنے بعد کے دور کے لیے بھی ایک ایسا معاشرہ قائم کر گئے، جو اس دورِ صحابہؓ کے بعد انسانی خصوصیات کے لحاظ سے دنیائے انسانیت کا منفرد معاشرہ تھا۔ یہ معاشرہ، جسے رسول ﷺ نے اپنی شبانہ روز محنتوں سے ترتیب دیا تھا، اس پر خود قرآن اور نبیؐ کو اتنا ناز تھا کہ قرآن ان لوگوں کو معیارِ

www.rahimia.org

ایمان کے لحاظ سے مثال کے طور پر پیش کرتا ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ (13:2) جن کو قرآن تمام تر انسانی کوتاہیوں کے باوجود انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے لیے ایک نمونے کی طور پر پیش کرکے ان کی پیروی کا حکم دیتا ہے۔ ارشاداتِ ربانی ہیں:

(i) وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (115:4)

''راہِ ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد جو شخص رسول اللہؐ کی مخالفت کرے گا اور مؤمنین کے راستے کے خلاف چلے گا تو ہم اسے دنیا میں اس کی مرضی پر چھوڑ دیں گے۔ اور آخرت میں اسے جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔''

(ii) وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (100:9)

''مہاجرین و انصار میں سے جو سبقت لے جانے والے اور پہلے آنے والے ہیں۔ اور پھر جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی ہے۔ اللہ ان سے راضی ہوگئے ہیں۔ اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔''

ان بیانات کے باوجود کوئی کوتاہ بین ان کی اُخروی نجات کے بارے میں بوالہوسی کا مظاہرہ کرکے کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔ قرآن نے اس کا دروازہ بھی یہ کہہ کر بند کردیا: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا (8:66) (وہ دن ایسا ہوگا، جس دن اللہ نبی اور مسلمانوں کو رسوا نہیں کرے گا۔)

صحابہؓ کے معاشرے کی خصوصیت

اسی دور کا صدقہ ہے کہ آج بھی اگر ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بنی نوعِ انسان کے لیے سرمایۂ حیات بنانا چاہیں تو انہی لوگوں کے قائم کردہ طریقوں کے مطابق بنائیں گے۔ عبادات، سیاست و معاش سے لے کر معاشرت اور سماج کے بے شمار ضابطے، مثلاً ہاتھ دھوکر، بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانا، نکاح و زکوٰۃ، گھروں میں تعلقات کی نوعیت، مسجد و مدرسے کے متعدد ضابطے اور خاندانی نظام کی بقا جیسے رسوم و رواج، عمرانی معاہدوں پر مشتمل قومی اور بین الاقوامی سطح کے سیاسی اور معاشی نظام انہی ٹھوس اور مفید تعلیمات کی ایک جھلک ہیں۔ رسولؐ نے یہ کام محض تفریح کے طور پر یا عقیدت کی بنا پر نہیں کیا تھا، بلکہ عالمِ انسانیت کی رہبری اور رہنمائی کی خاطر قرآن کے احکام کی تعمیلی کوششوں کے زور پر ایک رہنما معاشرہ تشکیل دینا نبیؐ کے فرائض کا ایک ایسا حصہ تھا، جو نرے اَخلاقی وعظوں سے معرضِ وجود میں نہیں آسکتا تھا۔ اس لیے فلاحِ دنیا اور نجاتِ اُخروی، دونوں کی خاطر زندگی کے ہر موڑ پر اس سوسائٹی کے طور طریقوں کو اپنانے کا حکم دیا گیا۔ اور اسی بنا پر اسلامی قانون میں ''تعاملِ صحابہؓ'' کی اصطلاح نے رواج پایا۔

www.rahmia.org

آیئے! صحابہؓ کے اس تعامل کی شرعی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

تعامل کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم اور اس کا شرعی مقام

اس سے قبل کہ صحابی کی تعریف، اس کا شرعی مرتبہ یا صحابہؓ کے تعامل پر کچھ تحریر کیا جائے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قانونِ اسلامی میں تعامل کا مکمل تعارف اور اسلامی قانون سازی میں تعامل کو بحیثیت ایک ماٰخذ متعارف کرایا جائے۔

''تعامل'' کے لغوی معنی ایک دوسرے سے معاملہ کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ ''عمل'' کے مادے ''ثلاثی مزید'' کے ''بابِ تفاعل'' کا مصدر ہے۔

مولانا تقی امینیؒ فرماتے ہیں: عرف کا دوسرا نام تعامل اور عادت ہے۔

''التعامل هو عادة الناس فی المعاملات من البيع و الشراء و غيرهما.''

''خرید وفروخت اور دوسرے معاملات میں لوگوں کی عادت کا نام تعامل ہے۔''

کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں:

''عرف و عادت سے ملتا جلتا لفظ ''استعمال'' بھی ہے۔ اور فقہا کی درجِ ذیل عبارت میں اس کی طرف اشارہ ہے: ''الناس حجة يجب العمل بها'' کہ لوگوں کا استعمال حجت ہے۔ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔''(1)

علامہ شاطبیؒ نے ''سیرت وسنت'' کے الفاظ بھی اسی معنی میں لیے ہیں: ''السيرة هو إستمرار عادة الناس'' ''سیرت وعمل ہے، جس پر لوگ عادت کے طور پر ہمیشگی اختیار کریں۔'' اسی طرح فرماتے ہیں: ''و يطلق أيضًا لفظ السنة على ما عمل عليه الصحابة'' ''لفظ سنت کا اطلاق صحابہؓ کے عمل پر بھی ہوتا ہے۔''(2)

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: ''العادة عبارة عما يستقر فی النفوس من الأمور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمة'' ''عادت وہ ہے، جو بار بار دُہرانے سے لوگوں کے دلوں میں مرتکز ہو جائے۔ اور طبائع سلیمہ اسے قبول کرلیں۔''(3)

ابوزہرہؒ فرماتے ہیں: ''العرف ما اعتاده الناس من المعاملات و إستقامة عليه أمورهم.'' ''عرف معاملات کے اس اُسلوب کا نام ہے، جس کے لوگ عادی ہو چکے ہوں۔ اور ان کے اُمور اس پر قائم ہو چکے ہوں۔''(4)

معلوم ہوا ''تعامل''، ''عرف'' اور ''عادۃ'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ باہمی معاملات میں یا فردِ واحد کے ذاتی عمل کی صورت میں کسی کام کا طریقہ اور اُسلوب ہے، جو عقلی طور پر لوگوں کے نفوس میں اس طرح جاگزیں ہو جائے کہ فطرتِ انسانی اسے قبول کرلے۔ اور ایک زمانے کے لوگ، جو سلیم الطبع ہوں، اس کے عادی ہو جائیں۔ یعنی وہ ایک

جانی پہچانی چیز ہو، جسے کسی معاشرے میں انسانوں کا اجتماعی ضمیر قبول کر لے۔ یا وہ کوئی لفظ یا جملہ ہو، جو اپنے محضر میں اطلاق سے متعارف ہو جائے۔

اگرچہ لفظ ''تعامل'' کا کثیر استعمال ''تعامل اہل مدینہ'' یا ''تعامل صحابہ'' کے طور پر ہوتا ہے، لیکن فقہائے کرام کے ہاں تعامل، عمل، استعمال، سیرۃ، سنت، عادت اور عرف تقریباً ملتے جلتے معنوں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور ان سب کے لیے عرف و عادۃ کی اصطلاح کچھ زیادہ متعارف ہے۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی نے اسی معنی میں ''رسم و رواج'' کے الفاظ بھی استعمال کیے۔(5) اور مولانا امین احسن اصلاحی نے رواج و دستور کے الفاظ ذکر کیے۔(6)

ڈاکٹر صبحی محمصانی فرماتے ہیں:

''رسم و رواج کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ، جو عملی زندگی اور حقوقِ انسانی سے اور بعض وہ، جو اَخلاق و آداب سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض وہ، جو لباس اور طرزِ زندگی کو ممتاز کرتے ہیں۔ اور بعض وہ، جن کا مطلب سوائے تسلی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔''(7)

واضح ہوا کہ بعض عادات کا تعلق حقوق کے تصفیے اور اجتماعی مصالح سے ہوتا ہے۔ مثلاً قبل از اسلام اہل عرب ایامِ حج میں مزدلفہ کے مقام پر آگ روشن کرتے تھے۔ تاکہ حُجّاج کے لیے آسانی ہو۔ اور اسے بعد از اسلام بھی کچھ عرصے تک اپنایا گیا۔ بقول ساجد الرحمٰن صدیقی ''اس رسم کا آغاز قصی بن کلاب نے کیا تھا۔''(8) اسی طرح وہ لوگ حرم سے واپسی پر اپنے آپ یا اونٹنی کے گلے میں مکے کے پتے لٹکاتے۔ تاکہ اپنے گھروں تک مامون پہنچ پائیں۔ (9) جب کہ ان کی بعض رسوم محض عادت کی بنیاد پر تھیں۔ جن میں فکرِ صالح کارفرما نہ تھی، بلکہ تکلیف کے باعث تھیں۔ مثلاً حج کی واپسی پر اپنے گھر میں دروازے سے داخل نہ ہونا۔ بلکہ گھر کی پشت سے داخل ہونا۔(10) ان کی بہت سی رسوم کا تعلق قدیم روایات اور معاشرتی تمدن سے تھا۔ جن میں کچھ دینِ ابراہیمی کے باقی ماندہ آثار بھی تھے۔ جو کبھی اپنی اصلی حالت میں اور اکثر بگڑی ہوئی خود ساختہ شکل میں پائے جاتے تھے۔ ان سب کا مدار قبائل کے عرف اور آباء و اجداد کی تقلید پر تھا۔

یہ کوائف تو قبل از اسلام یا غیر اسلامی عرف کے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے اسلامی عرف میں یہ شرائط ذکر کیں کہ وہ عرف فطرت کے مطابق ہو۔ سلیم الطبع لوگ اسے قبول کریں۔ اور وہ روحِ اسلامی سے متناقض نہ ہو۔ بوقتِ قانون سازی عرف باقی ہو۔ اور عرف غالب اور عام ہو۔ اور معاملہ کرنے والوں نے اس کے برخلاف کوئی شرائط نہ لگائیں ہوں۔(11)

عرف اور تعامل کی اقسام

علامہ شاطبیؒ نے عرف کی اقسام اس سلیقے سے ترتیب دی ہیں کہ عرف کی حقیقت کے منکشف ہونے کے ساتھ

www.ranmia.org

اسلام میں عرف کے مقبول اور ممنوع ہونے کی صورتیں بھی واضح ہوجاتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ عرف کی دو اقسام ہیں:

پہلی: ''عرفِ شرعی'' جسے شریعت نے واضح طور پر تسلیم کیا ہو یا اس کی نفی کی ہو۔ ایسے عرف کی حیثیت اسلامی احکام میں حلال وحرام کی سی ہے۔ مثلاً ستر پوشی، حلال کھانا، حرام سے بچنا، ختنہ کرانا، ڈاڑھی رکھنا، مونچھیں کٹانا، صفائی کرنا، والدین واقارب وغیرہ کے حقوق ادا کرنا۔ یہ ایسا تعامل اور عرف ہے، جو شرع کا حصہ ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

دوسری: وہ عرفی عادات جن کے بارے میں شریعت میں حکم یا ممانعت موجود نہیں۔ بلکہ شریعت نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ وہ دو طرح کی ہیں: پہلی جو غیر معتبر ہیں۔ ان عادات کی حیثیت ابدی کلیات کی سی ہوتی ہے۔ جن پر پوری دنیا کا مدار ہے۔ اور دنیا کی مصلحتیں انھیں سے وابستہ ہیں۔ چناں چہ ان کی حیثیت شرعی احکام کی سی ہے۔ مثلاً ہر انسان کے فطری تعلقات و عادات: ''کھانا، پینا، بولنا، دیکھنا، سونا، اونگھنا اور جاگنا وغیرہ''۔ دوسری وہ عادات، جو بدلتی رہتی ہیں۔ مثلاً رہن سہن کے طریقے، مزاج کی نرمی وتندی اور جلد بازی و بُردباری۔ یہ عادات، کلیات کی حیثیت نہیں رکھتیں۔ بلکہ یہ جزئیات ہیں۔ جو ظنی ہیں۔ اور ان پر فیصلہ صرف اس بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی عادات ہیں۔ اور پھر بعض جگہ انھیں نظر تحسین سے اور بعض مقامات پر ناپسندیدگی سے دیکھا جاتا ہے۔ جیسے سر کھلا رکھنا، لباس کے بدلتے رنگ، مختلف زبانوں کے مختلف زمانوں میں مختلف معانی ومفہوم۔ ان میں سے جو عادات شریعت میں ممنوع نہ قرار دی جاسکیں اور مباح کے درجے میں آئیں تو لوگوں کے معاملات میں اور فیصلوں میں ان کا اعتبار کیا جانا بلا اختلاف صحیح ہے۔ اور کتاب وسنت سے ثابت ہے۔(12)

تعامل کا ثبوت قرآن وسنت سے

امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں کتاب البیوع کے اندر ایک باب بنایا ہے: ''**بـــاب مـن أجـرى أمـور الأمـصـار عـلـى مـا يتعـارفـون بينهم في البيوع و الإجارة و الكيال و الوزن و سنتهم على نياتهم و مـذاهب المشهورة**'' کہ ''تجارت، ٹھیکہ اور ناپ تول میں شہروں کے عرف، عادت، نیتوں اور مشہور طریقوں کے مطابق ہی احکام جاری ہوں گے۔'' (13)

امام موصوف نے اس عنوان کے تحت جو آیات، احادیث اور آثار ذکر کیے ہیں، وہ درجِ ذیل ہیں:

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط (14)

''جو شخص غریب ہو وہ عرف کے مطابق کھالے۔''

امام بخاریؒ نے اس آیت کو حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کی تفسیر کرتے

www.ranimia.org

ہوئے فرمایا کہ یہ آیت یتیم کے سرپرست کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جو شخص یتیم کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت پر مقرر ہو تو وہ تنگ دست ہونے کی صورت میں عرف اور دستور کے مطابق اس کے مال میں سے کھا سکتا ہے۔ معلوم ہوا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے سرپرست کو ضرورت مند ہونے کی صورت میں یتیم کے مال میں سے ایک مخصوص مقدار حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور قرآن نے خود بتایا کہ اس معین مقدار کا فیصلہ لوگوں کے عرف اور تعامل پر ہوگا کہ جو مقدار اس معاشرے میں اس طرح کی حفاظت و خدمت پر لی جاتی ہو، یتیم کا ولی اس قدر لے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کے بیش تر مقامات پر تعامل اور عرف کو معاملات میں ایک معیار قرار دیا گیا ہے۔ (15)

تعامل کے ثبوت کے لیے احادیثِ نبویہ ﷺ

امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ بھی دو احادیث نقل کی ہیں۔ پہلی روایت انس بن مالکؓ کی ہے کہ ابوطیبہ نے رسول اللہ ﷺ کو پچھنے لگائے۔ آپؐ نے اپنے گھر والوں کو ایک صاع غلہ دینے کا حکم فرمایا۔ اور اپنے عملے (سٹاف) کو حکم دیا کہ اس کا خراج کم کر دیں۔ اس حدیث کی تشریح میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ نے لکھا کہ امام بخاریؒ کے اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے پچھنے لگوانے کی اُجرت کا تعین حجام سے نہیں کیا تھا۔ بلکہ عرف کے مطابق اس کی اُجرت ادا کی۔ اور شاید تالیف قلب کے لیے اس کے خراج میں تخفیف کا حکم فرمایا۔

دوسری حدیث میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ:

''قالت هند أم معاوية لرسول الله ﷺ أن أباسفيان رجل شحيح. فهل علی جناح أن آخذ من ماله سرًا، قال خذی أنت و بنيک بالمعروف.''

''حضرت معاویہؓ کی والدہ حضرت ہند بنت عتبہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی کہ حضرت ابوسفیان ایک بخیل شخص ہیں۔ اگر میں خفیہ طور پر ان کے مال میں سے کچھ مقدار نکال لوں تو اس میں کہیں مجھے گناہ تو نہ ہوگا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنی اور اپنے بچوں کی کفالت کے لیے عرف اور دستور کے مطابق لے لیا کرو۔''

معلوم ہوا آں حضور ﷺ نے عرف اور ''تعامل الناس'' کو بطور ایک اصول کے قبول فرمایا ہے۔

تعامل کے حوالے سے فقہا کے اقوال

امام بخاریؒ نے قاضی شریحؒ کا یہ قول نقل فرمایا، جو انھوں نے سوت کاتنے والوں سے فرمایا: ''سنتکم بینکم'' کہ (تمہارا رواج اور تعامل تمہارے لیے فیصلہ کن ہے)۔

اسی طرح امام ابوبکر جصاص سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 233 کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''جب عورت یہ زیادتی کر رہی ہو کہ عام طور پر عرف میں اس کے ہم جنسوں کے لیے جتنا نان و نفقہ دیا جاتا ہے، اس سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو اس کو اتنا خرچہ نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر شوہر اتنے نفقے میں کمی کرے، جو اس کے ہم جنسوں کے لیے متعارف ہے تو اس کے لیے جائز نہیں۔ اور اس کو اتنا نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔'' (16)

قاضی ابوبکر ابن العربی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک اس آیت میں اُجرتِ رضاعت اور اس طرح کی تمام اُجرتوں کے لیے یہ اصل موجود ہے کہ اس طرح کے کاموں میں عرف و عادت کا اعتبار کیا جائے گا۔'' (17)

اس کے علاوہ تمام فقہا و محدثین عرف و تعامل کو اپنی حد اور شرائط کے اندر نص کی طرح حجت مانتے ہیں: "الثابت بالعرف كالثابت بالنص" ۔(18) (جو چیز عرف اور تعامل سے ثابت ہے، اس کا حکم ایسے ہی ہے، جیسے نص سے ثابت شدہ ہو۔)

تعامل صحابہ کا مفہوم

سابقہ عنوان کے تحت یہ گزر چکا ہے کہ قبل از اسلام عرب معاشرے میں کچھ رسوم تو ایسی موجود تھیں، جو ملتِ ابراہیمی اور فطرتِ انسانی سے مطابق رکھتی تھیں۔ لیکن ان کے اکثر رواج جاہلی معاشرے کے نتیجے میں منصۂ شہود پر آئے تھے۔ اس لیے جب اسلام ظاہر ہوا تو قرآن و حدیث کے حکم پر ہی قانون سازی کی بنیاد رکھی گئی۔ اور سابقہ رسوم و دساتیر کی اہمیت پہلے کی بہ نسبت کم ہوگئی۔ کیوں کہ جو رسوم اسلامی مزاج کے خلاف تھیں، انھیں ممنوع قرار دیا گیا۔ مگر جو چیزیں خلافِ شرع نہ تھیں، انھیں اسلام میں شامل کر دیا گیا۔ جیسے مسئلہ دیت وغیرہ۔

سنت تقریری کے ذریعے عربوں کے کئی رواجات کو باقی رکھا گیا۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے بعض پسندیدہ عادات پر اپنی خاموشی کے ذریعے رضامندی کا اظہار فرمایا تو یہ رسوم و عادات مسنون اعمال کا جز و بن گئیں۔(19)

اس وجہ سے وہ اسلامی معاشرہ، جو اصحابِ رسولؐ پر مشتمل تھا، وہ اسلامی روایات کا حقیقی امین تھا۔ اس معاشرے کے افراد، وہ سعادت مند شخصیات تھیں، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست تعلیم و تزکیہ حاصل کیا تھا۔ آپ ﷺ کی فکری اور عملی زندگی کو اپنی زندگی میں رچایا اور بسایا تھا۔ انھوں نے کتاب و سنت کے مطالب و معانی کا فہم صاحبِ کتاب ﷺ سے حاصل کیا تھا۔ وہ اس قدر اطاعتِ رسول کے مشتاق تھے اور سیرت رسول کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کے لیے کوشاں تھے کہ اللہ نے امتیازی شان سے ان کے قول "سمعنا و أطعنا" (20) (ہم نے آپ کی بات سن لی اور ہم اس کی پوری اطاعت کرتے ہیں۔) کا ذکر کیا۔ اس لیے ان سے بڑھ کر نبوت کا مزاج

شناس کوئی نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی رائے اور تعامل سے بڑھ کر کسی کی رائے اور تعامل کو مقام حاصل نہیں ہے کہ انھوں نے مکمل طور پر سیرت، افکار اور تصورات کو قرآن وسنت سے ہم آہنگ کر لیا تھا۔

صحابہ کرامؓ کی سوسائٹی میں ایسی جدید رسوم بھی موجود تھیں، جو اسلامی انقلاب کے بعد حکم الٰہی سے عمل میں لائی گئیں۔ اور وہ سابقہ رواج بھی موجود تھے، جنھیں پیغمبر اسلامؐ نے اللہ کے حکم سے مقبول قرار دیا تھا۔ اس طرح وہ عادات بھی اس معاشرے میں پائی جاتی تھیں، جنھیں مجلس شوریٰ کے اجتماعی اجتہاد اور صحابہؓ کے فہم اسلامی سے اختیار کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض عادات و رسوم کی تصدیق باقاعدہ شوریٰ کے ذریعے نہ کی گئی ہو۔ لیکن انھیں صحابہؓ کے اجتماعی ذہن نے قبول کر لیا ہو۔ مذکورہ تمام صورتوں کو ''تعامل صحابہ'' کا نام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان میں جو رسوم قرآن وحدیث میں لسانِ نبوت اور عمل نبوت سے ہم تک پہنچیں، انھیں فقہا نے سنت رسول کا نام دیا۔ اور جو چیزیں صرف تعامل صحابہ میں پائی گئیں، انھیں فقہا نے سنت صحابہ، سیرتِ صحابہ اور تعامل صحابہ کا نام دیا۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ چیزیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوں۔ اور کچھ صحابہؓ کے اجتہاد سے اختیار کی گئی ہوں۔ مثلاً ''قسامه'' (قسم لینا)، ''إجاره'' (کرائے پر لینا)، ثالث مقرر کرنا، ''بیع مضاربة''، دستاویزات کو محفوظ کرنا، عراقی زمین کا فیصلہ وغیرہ۔

خلفائے راشدین نے نہ صرف مقامی رسوم کو قوانین کی تشکیل میں بنیادی طور پر لیا، بلکہ دوسری قوموں کے فائدہ مند رواجات کو بھی اپنایا۔ مثلاً عشور اور دیوان کا شعبہ، خراج کا نظام وغیرہ۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

''یطلق أیضًا لفظ ''السنة'' علی ما عمل علیه الصحابة، و جد ذالک فی الکتاب أو السنة أو لم یوجد، لکونه إتباعا لسنة ثبتت عندهم، لم ینقل إلینا، أو إجتهادًا مجتمعًا علیه منهم أو من خلفائهم. و عمل الخلفاء راجع أیضًا إلی حقیقة الإجماع، کما فعلوا فی حد الخمر، و تضمین الصناع، و جمع المصحف، و حمل الناس علی القرأة بحرف واحد عن الحروف السبعة، و تدوین الدواوین، و غیر ذالک مما یحتاج إلیه الخلیفة و الولاة، و إطلاق السنة علی أربعة أوجه: (۱) قوله ﷺ، و (۲) فعله، و (۳) تقریره، و (۴) ما جاء عن الصحابة و لخلفاء.'' (21)

''کہ لفظ سنت کا اطلاق عملِ صحابہؓ پر بھی ہوتا ہے۔ خواہ وہ کتاب وسنت میں پایا جاتا ہو یا نہ۔ کیوں کہ ممکن ہے عمل صحابہؓ ایسی سنت رسول کی بنیاد پر ہو جو صحابہؓ کے ہاں ثابت ہو۔ لیکن ہم تک وہ منقول نہ ہوئی ہو۔ اور وہ عمل ایسے اجتہاد کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے، جس پر صحابہؓ کا اجماع ہو۔ یا وہ خلفائے راشدین کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ خلفا کا عمل درحقیقت اجماعِ صحابہؓ ہی ہے۔ جیسے شراب کی

www.ranimia.org

حد۔ مصنوعات میں کاری گر کو ذمہ دار ٹھہرانا۔ قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کرنا۔ لوگوں کو قرآن مجید کی سات قرأتوں میں سے ایک قرأت کی طرف مائل کرنا۔ اور کئی قسم کے انتظامی دیوان، شعبے اور رجسٹر مدوّن کرنا۔ اور اس کے علاوہ وہ تمام چیزیں، جن کی ضرورت کسی خلیفہ یا اس کے گورنروں کو محسوس ہوئی۔ اس لیے لفظ سنت کا اطلاق و تائید رسول ﷺ اور خلفا اور صحابہؓ کے تعامل پر۔''

صحابہؓ نے اپنی زندگی کا مقصد اطاعتِ رسول بنا لیا۔ جس سے وہ نبوت کے فیض سے شرفِ انسانی کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے۔ ان کا کردار پوری انسانیت کے لیے نمونہ بن گیا۔ عدل و احسان، ایثار و قربانی، طہارت و امانت، شرافت و کرامت، خودداری و احساسِ ذمہ داری جیسے اعلیٰ اوصاف ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام اُمور میں موجود تھے۔ ان کا ہر فرد اپنی ذات پر دوسروں کی احتیاج کو ترجیح دیتا تھا۔ لیکن وہ لوگ اخلاص و نیک نیتی، بے غرض و حق گوئی اور تقوے کا ایسا پیکر تھے کہ بلند منصب پر فائز ہونے کے باوجود اپنے عزیزوں کو قانون کی گرفت سے بچا سکے اور نہ اپنے آپ کو۔

دینی فکر اور نظریے کو انھوں نے عملی شکل دی۔ جدید علوم کی بنیاد رکھی۔ وہ ہادیٔ برحق کے فیضِ صحبت سے علم و عمل کے روشن چراغ تھے۔ اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، سیرت النبی ﷺ، فقہ، اصولِ فقہ، فن روایت، علم اسرار دین، تاریخ اور دیگر علومِ دینیہ کی، جو فلک بوس عمارت ہمیں دکھائی دے رہی ہے، اس کے اوّلین معمار، صحابہؓ تھے۔ یہ ان نفوسِ قدسیہ کا رہتی دنیا تک احسان رہے گا کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا ادنیٰ واقعہ بھی انھوں نے ہماری نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ ان میں بڑے بڑے قاضی، مفتی اور فقیہ پیدا ہوئے۔ قرآن مجید کی اشاعت اور افہام و تفہیم کے سلسلے میں ان کی مساعی نہایت قابل قدر ہیں۔

اس طرح ان کی مساعی سے اسلام کا وہ تمدنی سرمایہ معرضِ وجود میں آیا، جس نے بہترین سماجی تشکیل کی۔ اور جو آئندہ کے لیے دنیائے اسلام، بلکہ اقوام عالم پر مشتمل انسانیت کے لیے مشترکہ سرمایہ قرار پایا۔ مشرق و مغرب کے مؤرخ حیران رہ جاتے ہیں کہ عہدِ جاہلیت کی سادہ معاشرت سے اُبھری ہوئی یہ جماعت کس اولوالعزمی اور جرأت و ہمت کے ساتھ اُٹھی اور قیصر و کسریٰ کی حکومتوں سے ٹکرا گئی۔ اور صرف قوت و سطوت نہیں، بلکہ تہذیب و تمدن، علوم و فنون، عالمی سطح پر سماجی نظام تشکیل دینے اور علم و شعور پھیلانے میں بھی ان کو شکست فاش دی۔

مولانا عبدالسلام ندویؒ نے لکھا ہے کہ: ''عہدِ فاروقی میں حکومت نے تمام مفتوحہ ممالک میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ قائم کیا۔ معلمین اور قرّا کی تنخواہیں مقرر کیں۔ مدینہ منورہ میں چھوٹے بچوں کے مکاتب کھولے۔ صحرائی بدویوں کے لیے قرآن کی تعلیم لازمی قرار دی۔ شام، دمشق اور حمص میں مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کے لیے جلیل القدر اہل علم صحابہؓ کو روانہ کیا۔ اور تاکید کی کہ جو شخص سنت رسول ﷺ کا عالم نہ ہو، وہ قرآن نہ پڑھائے۔'' (22)

www.ranima.org

صحابی کی تعریف

''صحابی'' کا لفظ صحبت سے ماخوذ ہے۔ بمعنی رفیق اور ایک ساتھ زندگی گزارنے والا۔ ''صحابی'' کی اصطلاحی تعریف مختلف آئمہ کرام نے اپنے اپنے ذوق سے کی ہے۔ ذیل میں چند عظیم المرتبت اہل علم سے منقولہ تعریفیں تحریر کی جاتی ہیں۔ جس سے صحابہ کا تعارف اور علما کا اس بارے میں اختلاف سامنے آجائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں:

"رأیت أهل العلم یقولون: کل من رأیٰ رسول الله ﷺ و قد أدرک العلم و أسلم و عقل أمر الدین و رضیه فهو عندنا ممن صحب النبی ﷺ و لو ساعة من النهار و لکن أصحابه علی طبقاتهم و تقدیمهم فی الإسلام."

''صحابی کے طبقات اگرچہ علم اور اسلامی سبقت کی بنیاد پر قائم ہیں تاہم میں نے اہم علم کو دیکھا، جو کہتے ہیں کہ جس نے بلوغ، اسلام، دین کے کچھ شعور کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، اگرچہ ایک گھڑی کے لیے ہو، وہ ہمارے نزدیک صحابی رسول ہے۔'' (23)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

"کل من صحبه سنة أو شهرا أو یوما أو ساعة أو رآه فهو من أصحابه، له صُحبة علی قدر ما صَحبه."

''صحابی وہ ہے، جسے آں حضرت ﷺ کی رفاقت حاصل ہوئی ہو۔ خواہ وہ ایک سال کے لیے ہو یا ایک ماہ یا ایک دن یا ایک لمحے کے لیے ہی ہو۔ یا اس نے آں حضرت ﷺ کو دیکھا ہو۔ جس نے جس قدر صحبت پائی وہ اسی قدر فضیلت رکھتا ہے۔'' (24)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

"من صحب النبی ﷺ أو رآه من المسلمین فهو من أصحابه."

''جس مسلمان نے پیغمبر اسلام ﷺ کی صحبت اختیار کی یا آپ ﷺ کو دیکھا، وہ صحابی ہے۔'' (25)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"من لقی النبی ﷺ مؤمنًا و مات علی الإسلام فیدخل فیمن لقیه من طالت مجالسه له أو قصرت، و من روی عنه أو لم یرو و من غزیٰ معه أو لم یغزو من رآه رؤیه ولولم یجالسه و من لم یره لعارض کالعمی." (26)

''جس نے حضور ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے آپ ﷺ سے ملاقات کی۔ اور اس کی وفات اسلام

پر ہوئی تو وہ صحابہؓ کی جماعت میں شامل ہے۔ چاہے آپ ﷺ سے کوئی حدیث روایت کی ہو یا نہ۔ اور چاہے آپ ﷺ کے ساتھ کسی لڑائی میں شریک ہوا ہو یا نہ۔ اور چاہے اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو ہو، مگر آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ نہ سکا ہو۔ اور وہ بھی جو کسی مجبوری، مثلاً نابینا ہونے کے باعث آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکا ہو، وہ صحابی ہے۔''

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

''أما الصحابة فهو كل من جالس النبي ﷺ و لو ساعة سمع منه و لو كلمة فما فوقها أو شاهد مه أمرا يعيه، ولم يكن من المنافقين الذين اتصل نفاقهم و اشتهر حتى ماتوا على ذالک، سواء كان صغيرا أو كثير على عهد رسول الله.....''

''صحابی وہ ہے، جس نے حضور ﷺ کی مجلس پائی ہو۔ خواہ لمحہ بھر کے لیے ہو۔ اور کچھ نہ کچھ سنا ہو۔ چاہے ایک کلمہ ہی ہو یا اس سے زیادہ ہو۔ یا آپ ﷺ کو دیکھا ہو۔ اور اس واقعے کو یاد رکھا ہو۔ خواہ عہدِ رسول مقبول ﷺ میں چھوٹی عمر کا ہو یا زیادہ عمر کا ہو۔ جیسے حضرت نعمان بن بشیر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت حسن اور حضرت حسین، جو کہ دس سال سے کم عمر کے تھے۔ ایسے لوگ خیارِ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی روایات اعلیٰ درجے کی قبولیت رکھتی ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ خواہ مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد۔ البتہ وہ لوگ صحابہ میں شمار نہ ہوں گے، جنھوں نے شعور کی حالت میں حضور ﷺ کو دیکھا، لیکن اس وقت ایمان نہ لائے تو وہ تابعی کہلائیں گے۔ جیسے ابوعثمان نہدی، علقمہ، اسود، مسروق۔ اور جو لوگ شرفِ صحابیت کے باوجود مرتد ہوگئے اور زمانۂ رسالت کے بعد دوبارہ ایمان لائے تو وہ بلاشبہ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جیسے اشعث بن قیس اور عمر بن معدی کرب۔ لیکن جو منافق تھا اور وہ اپنے نفاق پر قائم رہا، اسی نفاق پر شہرت رکھتا تھا، اور اسی حالت میں اسے موت آئی، وہ صحابی شمار نہیں ہوگا۔'' (27)

حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں:

''الصحابة لانعدهم إلا من أقام مع رسول الله ﷺ سنة أو سنتين و غزا معه غزوة أو غزوتين.

''ہم صحابی انہی کو شمار کرتے ہیں، جنھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ سال دو سال قیام کیا ہو۔ اور آپ ﷺ کی معیت میں ایک دو غزوات بھی لڑے ہوں۔'' (28)

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ان تمام اقوال میں بڑی خوب صورت تطبیق دی ہے۔ لکھتے ہیں:

صحابی کی یہ تعریف کہ ''اس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو'' حدیث کی روایتیں

جمع کرنے کی خاطر بنائی گئی ہے۔ ورنہ اصل میں سیرت نبویؐ کے اعتبار سے صحابی وہ ہے جس نے آپؐ کی معیت لازم پکڑی۔ اور آپؐ کے ساتھ آخر تک انقلاب میں شریک رہا۔ تکلیفیں اٹھائیں۔ اور اس تحریک کی صداقت کے متعلق پورے یقین کے ساتھ یہ اطمینان کرلیا کہ انسانیت کے لیے اس کے سوا اور کوئی پروگرام نہیں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں، جن کی تعریف قرآن حکیم ان الفاظ میں کرتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال 74:8)

''جو لوگ ایمان لائے جنہوں نے اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی' وہی ہیں سچے مسلمان۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔'' (29)

اصحابِ رسولؐ کا شرعی مرتبہ

صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتزکیے سے براہِ راست فیض یاب ہونے والے ہیں۔ وہ آں حضور ﷺ کے علم وعمل کے آگے منتقل ہونے کا اوّلین ذریعہ ہیں۔ انھیں اوّلیت کا جو مقام حاصل ہے، وہ اور کسی کو حاصل نہ ہوسکا۔ اس وجہ سے کتاب وسنت میں ان کے بلند مرتبے کا ذکر موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (30)

''مہاجرین وانصار میں سے جو سبقت لے جانے والے اور پہلے آنے والے ہیں۔ اور پھر جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی ہے۔ اللہ ان سے راضی ہوگئے ہیں۔ اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔''

یہ آیت جس سیاق میں موجود ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ تمام آیات کی طرح یہ آیت بھی غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی۔ یہ غزوہ رجب 9ھ بمطابق 635ء میں پیش آیا۔ اس وقت منافقین کے جہاد سے جی چرانے اور ان کے مفسدانہ کردار واعمال کے سامنے سچے مؤمنین کے مخلصانہ کردار واعمال کو پیش کرکے بتایا جارہا ہے کہ اسلامی سوسائٹی کا اصلی سرمایہ ہیں۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کو قدسیوں کی اس جماعت کا رنگ ڈھنگ اپنانا چاہیے۔

اس آیت میں پہلے مہاجرین وانصار کے ان ''اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' کے بلندتر منصب کا ذکر ہے، جنھوں نے اس وقت پیغمبر اسلامؐ کی حمایت ونصرت کا اعلان کیا تھا، جب آپ ﷺ کی حمایت کرنا پوری قوم سے لڑائی مول لینے کے مترادف تھا۔ پھر ان لوگوں کا ذکر کیا گیا، جو بعد میں آئے۔ اور انھوں نے حتی المقدور پورے اخلاص سے

www.rahimia.org

مہاجرین و انصار کے نقش قدم کی پیروی کی۔ اس دوسرے گروہ سے مراد وہ تمام لوگ ہیں، جنھوں نے صحبتِ رسولؐ کا شرف حاصل کیا۔ اور صحابہؓ کے نام سے شہرت پائی۔ اور بالخصوص اس گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں، جو رجب 9ھ تک دامن رسول ﷺ سے وابستہ ہو چکے تھے۔ ان کے خلوص و صداقت کو یہاں لفظ ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ بعد میں آنے والوں کا ظاہر و باطن ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔

آخر میں دونوں گروہوں کو عظیم بشارت دی کہ اللہ ان سے راضی ہے۔ یعنی یہ ایمان و عمل، صبر و استقامت اور جاں بازی اور جاں سپاسی کے اس معیار پر فائز ہیں، جو اللہ کو مطلوب ہے۔ قابل توجہ نکتہ یہ کہ یہاں پر کسی قسم کی قیود و شرائط کے بغیر اللہ نے صحابہؓ پر مکمل اعتماد اور اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے۔ لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریّت میں منصبِ امامت کے جاری رہنے کی دعا کی، تو فرمایا: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ؁ کہ ''میرا عہد، حد سے تجاوز کرنے والے ظالموں کے لیے نہیں ہے۔'' (31)

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے:

''اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں، وہ کفار کے لیے سخت اور باہم نرم دل ہیں۔ آپ انھیں رکوع اور سجدہ کرتے پائیں گے۔ یہ لوگ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے متلاشی ہیں۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہیں۔ ان کی اسی شان کا ذکر تورات میں تھا۔ جب کہ انجیل میں ان کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ جیسے ایک کھیتی ہو۔ جس کے خوشے پہلے نکلنا شروع ہوں۔ پھر وہ مضبوط ہوتی جائے۔ تا آں کہ مکمل پختگی حاصل کر کے اپنے تنے پر کھڑی ہو جائے۔ کاشت کاروں کے لیے خوشی کا باعث ہو۔ اور مخالفین کو غم زدہ کر دے۔'' (32)

اس آیت میں صحابہؓ کی معیتِ رسولؐ اور ان کے ایسے فضائل کا بیان ہے، جو قرآن کے علاوہ دوسری کتبِ سماویہ کے طور پر ان باکردار لوگوں کا تذکرہ ضروری سمجھا گیا، جو آپ کی معیت میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ (43:33)

''اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ تم پر رحمت نازل کرتے ہیں۔'' (33)

اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد ہے: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ (137:2)

''اگر دوسرے لوگ صحابہ کرامؓ کی طرح ایمان قبول کریں گے تو ہدایت پائیں گے۔'' (34)

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ۙ (7:49)

''لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال کر اسے نکھار دیا ہے۔ اور تمھیں کفر، جرائم اور

معاصی سے متنفر کر دیا ہے۔'' (35)

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے: أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ (174:8)

''صحابہ کرامؓ مؤمنین برحق ہیں۔'' (36)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''خير اُمتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم.'' (37)

''میری اُمت کے بہترین لوگ وہ ہیں، جو میرے زمانے میں ہیں۔ پھر ان لوگوں کا مرتبہ ہے، جو ان (صحابہ) سے ملے ہوئے ہوں۔ اور پھر ان لوگوں کا درجہ ہے، جو ان (تابعین) سے ملے ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور فرمان ہے:

''لاتسبوا أصحابي فو الذى في نفسي بيده لو أنفق أحدكم مثل أحد ذهبًا ما أدرك مد أحدهم و لانصيفه.'' (38)

''میرے ساتھیوں کو بُرا نہ کہو۔ مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرو تو یہ صحابہؓ کے ایک آدھ مُد (تقریباً آدھ کلو) کے برابر بھی نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور فرمان ہے:

''عن عمر ابن الخطاب أنه خطب الناس بالجابية، فقال: أن رسول الله ﷺ قالم فينا كمقامي فيكم، فقال ﷺ: ''أكرموا أصحابي ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يظهر الكذب، حتى أن الرجل ليحلف و لايستحلف و يشهد و لايستشهد، اَلا فمن سره بجبجة الجنة فليزم الجماعة، فإن الشيطان مع الفذو هو من الإثنين العد ولايخلوا رجل بإمرة رجل بإمرأة، فإن الشيطان ثالثهم و من سرته حسنته و سائته سيئته فهو مؤمن.'' (39)

''حضرت عمرؓ نے دمشق کی بستی جابیہ میں خطاب فرمایا: جس طرح میں تم میں کھڑا ہوں، اس طرح ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ کھڑے فرما رہے تھے کہ میرے صحابہؓ کی تعظیم کرو۔ ان کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے، جو ان کے بعد ہوں گے۔ اور پھر ان لوگوں کا درجہ ہے، جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر جھوٹ ظاہر ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک شخص قسم کھائے گا، جب کہ اس سے قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ اور ایک شخص گواہی دے گا، حال آں کہ اسے گواہی دینے کو نہ کہا جائے گا۔ سنو! جسے جنت میں عمدہ ٹھکانا چاہیے، وہ جماعت کو لازم پکڑے۔ بے شک شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے جو علاحدہ ہوجائے۔ اور شیطان دو مسلمانوں کے اتحاد سے سخت نفرت رکھتا ہے۔ اور جب ایک شخص کسی عورت سے تنہائی میں ملاقات کرے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ جس شخص کو نیکی اچھی لگے اور برائی سے نفرت ہو، وہ مؤمن ہے۔''

عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور عدالت کی تعریف

امام سیوطیؒ عدالت کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہیں کہ:

''راوی مسلم، بالغ، عاقل اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے تمام راستوں اور ادنیٰ قسم کے شائبہ سے بھی محفوظ ہو۔'' (40)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے عادل راوی کے پانچ اوصاف ذکر کیے:

''باجماعت نماز ادا کرنا۔شراب نوشی نہ کرنا۔ دین میں کسی کمزوری کا نہ ہونا۔ دورغ گوئی نہ کرنا۔ اور ذہنی طور پر ٹھیک ہونا۔'' (41)

امام غزالیؒ نے فرمایا:

''العدل عبارة عن الإستقامة السيرة والدين و يرجع حاصلها إلى هيئة راسخة فى النفس، تحمل على ملازمة التقوىٰ و المرؤة جميعًا، بإجتناب الكبائر و من الصغائر مايدل على ركاكة دينهٖ و بعض المباحات القادحة فى المرؤة.'' (42)

''عدل دین اور شخصیت کی استقامت کے ایسے ملکے کا نام ہے، جونفسِ انسانی میں راسخ ہو چکا ہو۔ اور تقویٰ اور مکمل احتیاط کو لازم پکڑنے کا نام ہو۔ وہ اس طرح کہ کبائر کے ساتھ ایسے صغائر سے بھی محفوظ ہو، جو اس کی دینی گرفت کے ڈھیلے ہونے پر دلالت کرتے ہوں۔ اور ایسے مباحات سے بھی محفوظ ہو، جو کسی قسم کے شک وشبہے میں ڈالنے والے ہوں۔''

عدالتِ صحابہؓ پر محدثین کے اقوال

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

''كلهم عدلٌ، امامٌ، فاضلٌ، رضى فرضى علينا توقيرهم و تعظيمهم و أن نستغفرلهم و نحبهم و تمرة يصدق بها أحدهم أفضل من صدقة أُحدنا، و جلسة عن الواحد منهم مع النبيؐ أفضل من عبادة أحدنا دهره كله.'' (43)

''تمام صحابہؓ عادل، مقتدیٰ، فضیلت رکھنے والے اور راضی برضائے الٰہی ہیں۔ ہم پر ان کی توقیر و تعظیم ضروری ہے۔ اور یہ بھی کہ ہم ان کے لیے استغفار کریں۔ اور ان سے محبت کریں۔ ہمارا اُحد پہاڑ کے برابر صدقہ کرنا ان کے کھجور کے صدقے کے برابر نہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم تمام زمانہ عبادت کرتے رہیں۔''

علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ: ''تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ ''تمام صحابہؓ عدول ہیں۔'' (44)

www.rahimia.org

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''جمہور اُمت نے تصریح کی ہے کہ ''کل صحابہؓ عادل ہیں۔'' اور یہ بات معتبر ہے۔'' (45)

کتاب وسنت کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو عظمت بیان ہوچکی ہے، اس سبب سے محدثین نے کہا کہ تمام صحابہؓ نقد و جرح سے بالاتر ہیں۔ کسی روایت کے قبول و ردّ کرنے میں دیگر تمام رُوات کے خیر و شر کی تحقیق کی جائے گی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے چوں کہ صحابہؓ کو خیر قرار دیا ہے، (46) لہٰذا وہ تحقیق سے بالاتر ہیں۔ یہ افسانہ نہیں، بلکہ اُمت نے ان کو عدالت کے اوصاف کا پیکر پایا ہے تو یہ رائے قائم کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وفات 73ھ میں ہوئی۔ (47) ان کا فرمان گزشتہ صفحات پر گزر چکا ہے۔ جس میں انھوں نے ان تمام مخلص مسلمانوں کو صحابی قرار دیا ہے، جنھوں نے حضور ﷺ کی رفاقت اور رؤیت سے فیض پایا۔ انھوں صحابہؓ کے مختلف مدارج کا تذکرہ بھی کیا ہے، جو کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ صحابہؓ میں اوصافِ عدالت کی کم زوری موجود ہو۔

یہ بات کسی کے دل میں کھٹک سکتی ہے کہ صحابہؓ انسان تھے۔ اور وہ پیغمبر بھی نہیں تھے۔ بلکہ عہدِ نبویؐ میں بعض لوگوں سے گناہوں کا صدور ہوا۔ اور بعض میں ارتداد بھی پایا گیا۔ تو اسے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ صحابہؓ کی فضیلت وعدالت کا مدار محض رؤیت و رفاقتِ رسولؐ پر نہیں، بلکہ رؤیت وصحبت اور اطاعتِ رسول ﷺ پر ہے۔ جہاں تک جان بوجھ کر گناہ کا تعلق ہے، اس کا صدور اس وقت ہوا، جب ان کا اسلام مستحکم نہ ہوا تھا۔ اور صحابی کے نام سے ابھی شہرت نہ پائی تھی۔

عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ خلافت راشدہؓ میں جو لوگ صحابہؓ کے مبارک نام سے اس پاکیزہ معاشرے کے اندر شہرت اور قبولیت پاگئے، ان میں سے ہر صحابی کا عادل، متقی اور مخلص ہونا ایک مسلمہ امر ہے۔ جس پر کتاب وسنت کے شواہد اور تابعین کی گواہی کی بنا پر تمام محدثین کا اجماع ہے کہ: ''الصحابة كلهم عدول''. (تمام صحابہؓ عادل ہیں۔) اور اس اجماع کو قائم کرنے میں اصل مواد خود صحابہؓ اور تابعینؒ نے دیا ہے۔ جو کتاب وسنت اور اپنے زمانے کے تمام لوگوں کا گہرا علم رکھتے تھے۔ اب اگرچہ قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ انسان ہونے کی حیثیت سے خطا کار ہوسکتے ہیں۔ لیکن متذکرہ بالا حقائق ہمیں قیاس کے بالمقابل استحسان کی راہ دکھاتے ہیں کہ اللہ جنھیں قابل اعتماد قرار دیں۔ اور دیکھنے والے ان کی عدالت کی تصدیق کریں تو پھر کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں ہے۔

تاریخی رطب ویابس میں جو الزامات مذکور ہیں، انھیں تحقیق کی کسوٹی پر صحیح ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ اور اگر کچھ ثابت ہوجائے تو ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کیہ انھوں نے جو کچھ کیا، اپنے فہم کے مطابق اُمت کی بہتری کے لیے کیا، نہ کہ ذاتی مفاد کے لیے۔ ایک مخلص مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اُمت میں نزاع کی نئی راہ کھولنے اور نسلِ نو کو اسلاف سے کبیدۂ خاطر کرنے سے مکمل پرہیز کرے۔ کیوں کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں میں جرائم کی

www.rahmia.org

جرأت تو پیدا کی جاسکتی ہے، لیکن کوئی علمی کارنامہ انجام نہیں دیا جاسکتا۔

تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم بطورِ ماخذِ فقہ و قانون

تعامل اور عرف کا شرعی مقام کتاب و سنت کی روشنی میں بیان کیا جاچکا ہے۔ پھر صحابہؓ کا مرتبہ اور ان کی عدالت بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس سے بآسانی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب ایک عام تعامل کا مرتبہ مسلّم ہے۔ تو تعاملِ صحابہؓ کی کیا حیثیت ہوگی۔ اس لیے اسلام کے مآخذ میں تعاملِ صحابہؓ کی حقیقت صراحتاً بیان کی گئی ہے۔ چناں چہ تعاملِ صحابہؓ کی قطعیت قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اور تمام آئمہ فقہ نے اِسے تسلیم کیا ہے۔

قرآنِ حکیم سے استدلال

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (115:4)

''راہِ ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد جو شخص رسول اللہؐ کی مخالفت کرے گا اور مؤمنین کے راستے کے خلاف چلے گا تو ہم اسے دنیا میں اس کی مرضی پر چھوڑ دیں گے۔ اور آخرت میں اسے جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔'' (48)

اس آیت میں ''سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کا معنیٰ ''تعاملِ صحابہؓ'' ہے۔ کیوں کہ ''سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کے اولین مصداق وہی صحابہؓ ہی ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا بیان ہے:

''سن رسول الله ﷺ و ولاة الأمر بعده سننا. الأخذ بها تصديق لكتاب الله و إستكمال لطاعة الله و قوة على دين الله. ليس لأحد تغيير ما ولا تبديلها و لا النظر في رأى فألفها. من عمل بها مهتد و من استعر بها منصور و عن خالفها اتبع غير سبيل المؤمنين و ولاه الله ما تولّى و اصلاه جهنم و سائت مصيرًا.'' (49)

''رسول اللہؐ اور آپؐ کے بعد کے خلفا نے جو سُنَن اور طریقے اختیار کیے، انھیں اپنا لینا اللہ کی کتاب کی تصدیق، اللہ کی اطاعت کی تکمیل اور اللہ کے دین کی پختگی ہے۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی اور ان کے خلاف کوئی رائے قائم کرنے کا اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں۔ جس نے ان کے مطابق عمل کیا، وہ ہدایت یافتہ ہے۔ اور جس نے ان کے ذریعے کام یابی حاصل کرنے کا ارادہ کیا، وہی کام یاب ہے۔ اور جس نے ان کی مخالف سمت کو اختیار کیا، وہ مؤمنین کے راستے کے خلاف چلتا ہے۔ اللہ نے دنیا میں اس کو اسی کی مرضی پر چھوڑ رکھا ہے۔ اور آخرت میں اسے جہنم میں ڈالیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (119:9)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔)(50)

اس آیت کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ خطاب منافقین اور نومسلم افراد سے تھا۔ کہ وہ راست باز اہل ایمان لوگوں کی معیت حاصل کریں۔ معلوم ہوا کہ معیتِ رسولؐ نے صحابہؓ کو ایک معیار قرار دیا۔ اور ان کا تعامل نمونۂ زندگی بنادیا۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط (119:5)(51) مولانا تقی امینیؒ فرماتے ہیں کہ: ''یہ جملہ صحابہؓ کے تعامل کو ماخذ قرار دینے کے بارے میں نہایت اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالخصوص ''وَرَضُوْا عَنْهُ ط'' جو الٰہی حکمت کے ساتھ ان کے تعامل کی ہم آہنگی پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

''ثناء اللّٰہ علیهم من غیر مثنویة و مدحهم بالعدالة و مایرجع إلیها و قال: ''کنتم خیر أُمة أُخرجت للناس'' و کذالک جعلناکم أُمة و سطًا.''

''اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی بار بار ثنا بیان کی ہے۔ اور ان کی عدالت وفضیلت بیان کی ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''تم بہترین اُمت ہو۔'' اور اس طرح فرماتے ہیں کہ: ''ہم نے تمھیں اُمت وسط بنایا ہے۔''

پہلی آیت ان کے تمام اُمت سے افضل اور بہتر ہونے پر دلیل ہے۔ اور یہ بات اس کی شہادت ہے کہ صحابہؓ نے ہر حال میں استقامت اختیار کی۔ چاہے حالات موافق تھے یا نہ۔ دوسری آیت ان کی عدالت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے بعد علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ:

نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آیات تمام اُمت کو شامل ہیں۔ کیوں کہ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ مخصوص طور پر اوّلین مخاطب ہیں۔ اور باقی لوگ قیاس کے طور پر یا کسی خارجی دلیل سے مراد لے جائیں گے۔ پھر یہ کہ انھوں نے براہِ راست نبوت سے علم حاصل کیا۔ اگر آیت کو عام رکھا جائے تو بھی مخاطبین کے درجات بنیں گے۔ ان میں صحابہؓ درجہ اول پر فائز ہیں۔''(52)

احادیثِ نبویہؐ سے استدلال

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ:

''علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیّین من بعدی تمسکوا بها عضوا علیها بالنواجذ و إیاکم محدثات الأُمور و إن کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة.''

''تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اسے مضبوطی سے تھام لو۔ اور مکمل بصیرت کے ساتھ اس پر ڈٹ جاؤ۔''(53)

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ چیز قابل توجہ ہے کہ جس طرح سنتِ رسولؐ کے اتباع کا حکم ہے، اسی طرح خلفا کی سنت کی اتباع کا حکم ہے۔ پھر یہ کہ حدیث میں سنتِ صحابہ ؓ کو تھام لینے کے حکم کے بعد بدعت کا ذکر ہے۔ جس سے صاف واضح ہوا کہ ان کے زمانے میں جو اجتہاد ہو، اس میں بدعت کا شائبہ نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا ایک اور فرمان ہے:

''اقتدوا بالذی من بعدی أبی بکر و عمر.''

''میرے بعد آنے والوں کی اقتدا کرو۔ یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ کی۔'' (54)

حضور ﷺ کا ایک اور فرمان ہے:

''تفترق أُمتی ثلاث و سبعین فرقة کلها فی النار إلا واحدة، قالوا: و من هم یا رسول اللّٰه؟ قال: ''ما نا علیه و أصحابی.'' (55)

''میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹے گی۔ اور ایک فرقے کے سوا باقی تمام جہنمی ہیں۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ وہ کون سا گروہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جو میرے اور میرے صحابہؓ کے راستے پر ہو۔''

اقوال و آثار سے استدلال

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:

''میری زندگی کی قسم اگر تم نے صحابہ کرامؓ کی اتباع کی تو یقیناً تم ترقی کی منازل طے کرو گے۔ اور اگر تم اِدھر اُدھر متوجہ ہوئے اور انھیں چھوڑ دیا تو تم گم راہی کے گڑھے میں جا گرو گے۔'' (56)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ:

''جو شخص کسی کی اقتدا کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ صحابِ رسولؐ کی اقتدا کرے۔ یقیناً وہ لوگ نیک دل، علمی گہرائی، تکلف کی کمی، راہِ ہدایت میں ثابت قدمی اور حسن اموال میں اس امت کے افضل ترین لوگ تھے۔ اللہ نے انھیں اپنے نبی کی رفاقت کے لیے چنا۔ تم ان کی فضیلت پہچانو۔ اور ان کی پیروی کرو۔'' (57)

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

''جب مجھے کوئی حکم شرعی کتاب وسنت سے نہ ملے تو میں صحابہؓ کے اقوال کو لیتا ہوں۔ اور اگر صحابہؓ کے اقوال مختلف ہوں تو جس صحابیؓ کے قول کو چاہتا ہوں، اختیار کرتا ہوں۔ لیکن صحابہؓ کے اقوال کی موجودگی میں غیر صحابیؓ کی طرف رجوع نہیں کرتا۔'' (58)

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

''سنة الصحابة کسنة الرسول یعمل بها و یرجع إلیها.''

www.rahimia.org

''رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرح صحابہؓ کی سنت پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔''

متقدمین فقہا اور آئمہ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور علما نے کتاب وسنت کے بعد تعامل صحابہؓ اور اقوالِ صحابہ ؓ کو مقدم رکھا۔ اس کا اوّلین ثبوت مؤطا امام مالکؒ سے ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں قاضی بیضاوی کا فرمان ہے کہ: ''امام مالکؒ نے اجماعِ اہل مدینہ کو حجت مانا ہے۔ وہ اس صورت میں کہ وہ صحابہ اور تابعین کا اجماع ہو۔ اس کے علاوہ اور کسی کا نہیں۔'' (59) یعنی تعامل اہل مدینہ کی اصل صحابہ کرامؓ ہیں۔ کیوں کہ مدینہ طیبہ صحابہؓ کا مرکز تھا۔ اس سے امام مالکؒ نے سنت صحابہؓ اہل مدینہ سے حاصل کرنے کو ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ کے مؤطا میں جابجا ''**سنة المسلمين، السنة عندنا**'' وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں۔

اسی طرح امام ابو یوسفؒ ''**الرد على سير الاوزاعی**'' اور ''**کتاب الخراج**'' میں اور اس طرح امام اوزاعی ''**سير اوزاعی**'' میں ''**مضت السنة، اجماع صحابه، الامر المجتمع عليه عندنا**'' وغیرہ اصطلاحات سے جس اجماع اور جس سنت سے دلیل پکڑتے ہیں، اس سے مراد وہی طریق ہے، جو ان کے علاقوں میں رہنے والے صحابہ کرامؓ کا تعامل تھا۔ اور یہی چیز ان کے علاقوں اور ان کے شاگردوں میں مشہور تھی۔ یعنی عراقی، کوفی، شامی اور حجازی صحابہؓ کا تعامل اور ان کی فقیہانہ بصیرت ہر علاقے کی فقہ کی بنیاد بن گئی۔ (60)

اس کی بہترین مثال دار قطنیؒ کی یہ روایت ہے کہ امام مالکؒ نے اپنی علمی مجلس میں بتایا کہ ایک صاع پانچ رِطل اور ایک تہائی (تقریباً 2000 گرام) کا ہوتا ہے۔ اس پر اسحاق بن سلیمان (جو اس روایت کی راوی ہیں) نے عرض کی کہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تو صاع آٹھ رِطل کا سمجھا جاتا ہے۔ تو امام مالکؒ نے چند لوگوں کو بلا کر فرمایا: ''اپنے اپنے صاع لے آؤ۔'' چناں چہ آپ کے ارشارے پر لوگ صاع لے کر آئے۔ اور ہر ایک نے بتایا کہ میرے دادا وغیرہ نے اسی صاع سے ماپ کر حضور ﷺ کی خدمت میں صدقۂ فطر وغیرہ پیش کیا تھا۔ امام مالکؒ نے صحابہؓ کے تعامل سے صاع کی مقدار پانچ رِطل اور ایک تہائی ثابت کی۔ (61)

اس لیے فقہا کا یہ مسلک ہے کہ: ''جو چیز صحابہؓ کے زمانے میں رائج ہو، اس کا ماننا تمام فقہا کے یہاں واجب ہے۔'' (62)

''إن ما أجمع عليه الصحابة فهو بمنزلة الكتاب و السنة فی كونه مقطوعًا به حتی يكفر جاحده.''

''اجماعِ صحابہؓ بمنزل کتاب وسنت کے قطعی ہے۔ اس کا انکار کفر ہے۔'' (63)

بہر حال صحابہ کرامؓ اتباعِ رسول کے حقیقی مشتاق تھے۔ اور اتباعِ سنت اور حمایت ونصرتِ رسول میں پیش پیش رہے۔ اسی بنا پر تمام اُمت نے ان کی سنت کو اپنایا۔ اور اس طرح اللہ نے اصحابِ رسولؐ کی امامت اور عظمت دنیا

میں عام کر دی۔ اور اس جماعت کی حقانیت اور اس کی کام یابی کا اعلان کر دیا۔ چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (22:58) (64)

(یہی اللہ کی جماعت ہے۔ خبردار! بے شک اللہ کی جماعت کے لوگ ہی کام یاب ہیں۔)

تعاملِ صحابہؓ سے امت کا استدلال

تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اُمت کا طرزِ عمل کیا رہا ہے؟ تعمیر و تشکیل ملت میں تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کیا اہمیت ہے؟ اس سوال کے جواب پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اُمت کے تہذیبی و تمدنی، سیاسی و سماجی، قانونی و اَخلاقی، انفرادی و اجتماعی، غرض یہ کہ تمام شعبہ ہائے حیات تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی بنیاد پر تعمیر ہوئے۔ ایسا ہونا فطری امر تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن و سنت کی بنیادوں پر آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی 23 سالہ پیغمبرانہ کاوشوں کے نتیجے میں جو معاشرہ وجود میں آیا تھا، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہی معاشرہ تھا۔ جس کی بنیاد کو ہم ''دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم'' اور جس کی جزئیاتی تحسین کو ''خلافتِ راشدہ'' کے نام سے جانتے ہیں۔ اپنی اس خصوصیت کی بنا پر اس معاشرے کو اپنے ہر ہر فکر و عمل کے لحاظ سے قرآن و سنت کی تعبیرات کے لیے ایک کسوٹی یا معیار ہونا چاہیے تھا۔ چناں چہ مسلم تاریخ میں ایسا ہی ہوا۔ اسی سلسلے میں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ قرآن کریم کی الہامی حیثیت اور سنت رسولؐ کی تشریعی و تہذیبی حیثیت کا مسلمہ ہونا بھی تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بنیاد پر ہے۔

یہاں ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جن سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ زندگی کے انفرادی و اجتماعی شعبوں کی تعمیر و تزئین کے لیے تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی اُمت کے پیشِ نظر رہا ہے:

1۔ دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں دنیا میں تین بڑے نظام ہائے حیات عالمی حکمرانی قائم کیے ہوئے تھے۔ یعنی رومی، یونانی اور ایرانی۔ یہ تینوں نظام دو بنیادوں پر قائم تھے:

(i) اللہ تعالیٰ کی بجائے حکمرانِ وقت کے لیے حاکمیتِ اعلیٰ مختص تھی۔ جس کی بنیاد پر سرِ دربار ان کو سجدے کیے جاتے تھے۔ اور یوں اللہ کو چھوڑ کر حکمرانوں کو خدائی اختیارات کا مالک سمجھا جاتا تھا۔

(ii) طبقاتی تقسیم، جس کے تحت معاشروں کو امیر و غریب، مالک و مملوک اور آجر و اَجیر میں اس طرح بانٹ دیا گیا تھا کہ نچلا طبقہ ہمہ قسم کے بنیادی حقوق سے بھی محروم تھا۔

اس صورتِ حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عدل و انصاف پر مبنی بہترین معاشرہ تشکیل دیا۔ جو اپنی خصوصیت کے لحاظ سے تینوں نظام ہائے حیات سے مختلف تھا۔ اس نظام کی خصوصیات درجِ ذیل ہیں:

الف: اس نظام کی پہلی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں حاکمیتِ اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص تھی۔ حکمران (خلیفہ) اللہ تعالیٰ کا نائب تھا۔ جس کی بنا پر وہ اپنے جاری کردہ احکام کا کلی طور پر خود بھی پابند تھا

اور باقی کو بھی ان احکام کا پابند بناتا تھا۔ اس نظام میں مذہب و سیاست کی تقسیم کا تصور بھی نہ تھا۔

ب: اس نظام کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ کفالتِ عامہ کا نظام تھا۔ جو بنیادی طور پر طبقاتی سماج کا سخت مخالف تھا۔ اس کے تحت حکمرانِ وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہر ہر فرد کی معاشی کفالت اور بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا تھا۔

ج: اس نظام کی تیسری خصوصیت جہاد تھا۔ جہاد کا مطلب یہ نہیں کہ چند افراد مل کر ایک گروہ کی شکل میں اسلحہ اور قوت کے زور پر اسلامی نظام کے علم بردار بن جائیں۔ بلکہ جہاد کا مطلب یہ تھا کہ عدل و انصاف کا ایک ایسا نظام قائم کر کے اس کی قوت کے زور پر عالمی سیاسی منظرنامے کو ان انسان دوست اصولوں کا پابند بنایا جائے، جو تمام مذاہب کی مشترکہ تعلیمات کا حصہ ہیں۔ مثلاً غلامی، بیگار، زنا، طبقاتی استحصال اور مذہبی جبر کا خاتمہ کیا جائے۔ جو کہ تمام مذاہب کی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ اس طرح تمام معاشروں میں توہین انسانیت پر مبنی قوانین سے پاک سوسائٹی قائم کی جا سکے۔

چناں چہ تاریخ شاہد ہے کہ ماضی کے عالمی منظرنامے میں اَخلاقی برائیوں کا خاتمہ سب سے پہلے مسلم سوسائٹی میں ہوا۔ اور پھر یہی مسلم سوسائٹی دنیا میں اَخلاقی اَحیا کا باعث بنی۔

آج کے عالمی نظام کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ مذکورہ تمام برائیاں بشمول غلامی، امریکی معاشرے میں سب سے آخر میں ختم ہوئیں۔ جس کے آثار امریکن سوسائٹی میں اب بھی ''کالوں'' کے ساتھ ہونے والا ناروا سلوک ہے۔ اور جس کی نہایت قابل شرم مثال 1861ء میں نافذ کیے جانے والے ''جم کرو قوانین'' (Jim Crew Laws) ہیں۔ جو جنوبی امریکن ریاستوں کے صدر جیفرسن ڈیوس نے غلامی کے خاتمے کے لیے نافذ کیے۔ اور جو 1965ء تک پورے امریکہ میں رائج رہے۔ جس کے تحت ایک سیاہ فام کسی سفید فام کے ساتھ نہ تو ہاتھ ملا سکتا تھا اور نہ ہی اس کے ساتھ کرسی پر برابر بیٹھ سکتا تھا۔ باوجود یہ کہ یہ قوانین غلامی کے خاتمے کے لیے نافذ کیے گئے تھے۔

اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اَخلاقی برائیاں سب سے پہلے مسلم سوسائٹی میں ختم ہوئیں۔ اور پھر مسلمانوں کی وجہ سے بتدریج دیگر سوسائٹیوں میں ان کا خاتمہ ہوا۔ اس طبقاتی فرق کو ختم کرنے کی بنیاد خود آں جناب ﷺ نے مواخات کے اصول کے تحت قائم فرمائی تھی۔ اور جس کا کامل خاتمہ حضرت عمرؓ کے دور میں بے روزگاری الاؤنس نافذ کر کے کر دیا گیا۔ جو کہ بلاتفریق مذہب و ملت سب کو ملتا تھا۔ مسلمانوں کا یہ سیاسی نظام ''نظامِ خلافت'' کہلاتا تھا۔ جو کسی نہ کسی شکل میں 1924ء تک ترکی میں قائم رہا۔ اس نظام میں مسلمان حکمران خلیفہ کہلاتا رہا۔ یہ نظام تعامل صحابہؓ کی بنیاد پر طے ہوا تھا۔ اس نظام میں مسلمانوں نے کسی بھی لمحے پر کسی غیر دینی نظام کا پیوند لگانے کی کوشش نہ کی۔ اس لیے کہ تعامل صحابہؓ میں اس کی گنجائش نہ ملتی تھی۔

2۔ اس اجتماعی نظام کی بنیاد قرآن و سنت تھی۔ تاہم کسی نئے پیش آمدہ مسئلے کا حل براہِ راست قرآن و سنت

میں نہ ملنے کی وجہ سے اس کے حل کے لیے ''اصولِ اجتہاد'' بھی تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کا سبق تھا۔ جو اُمت کو ملا تھا۔ تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی بنیاد پر بعض نئے فیصلے ہوئے۔ جو آئندہ کے لیے مسلمانوں کے لیے شرعی قانون کی حیثیت اختیار کر گئے۔ مثلاً:

(i) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ اور مقاتلہ تعامل صحابہؓ کے ذریعے سے ہوا۔ اور آئندہ کے لیے اُمت کا رہنما اُصول بن گیا۔

(ii) منکرین زکوٰۃ کے خلاف دورِ صدیقیؓ میں کاروائی اسی سلسلے کی دوسری مثال ہے۔

(iii) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عراق و شام کی زمینوں کو قومی ملکیت میں لینا اور بیت المال کے لیے خاص کر کے حکومت کے لیے اپنے ذرائع آمدنی پیدا کرنا اور پھر حکومتی ملازمین بشمول آئمہ مساجد و مؤذنین کی تنخواہوں کا تعین اور پھر ان کا مسلم تاریخ میں اجرا، محض تالیفِ قلوب کی خاطر غیر مسلموں کو زکوٰۃ ادا نہ کرنا، بلکہ ان کے لیے الگ سے نظام قائم کرنا، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کے وہ پہلو ہیں، جو اُمت میں رواج پا گئے۔

(iv) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں نمازِ جمعہ کے لیے دو اذانوں کا سلسلہ، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی بنیاد پر ہے۔

(v) اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن کریم کو لغتِ قریش میں لکھ کر دیگر قبائل کے لہجوں کے مطابق تلاوت کی اجازت کا خاتمہ، یہ سب نظامِ اجتماع کے مختلف پہلوؤں سے متعلق چیدہ مثالیں ہیں۔ جن سے اُمت کے ہاں تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

(vi) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جزوی اختلافی مسائل کا اُمت میں جاری و ساری رہنا اور ان مسائل شرعیہ کے سلسلے میں اُمت کا تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے باہر نہ جانا بھی تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسائل کے اس اختلاف کو اُمت نے اختلاف نہیں بلکہ تنوع کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ ان اختلافی مسائل میں رفع یدین، آمین بالجہر یا فاتحہ خلف الامام کے مسائل ہوں۔ یا ماضی کے مختلف فرقوں: شیعہ، خوارج، معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ، جبریہ، قدریہ کے باہمی اختلافات سب تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کے قائل رہے ہیں۔ ان سب نے اختلافی مسائل میں قرآن و سنت کی طرح تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کو قانونی ماخذ کے طور پر قبول کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض فرقے، مثلاً شیعہ تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی وسعت میں تحدید کے قائل تھے۔

مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق ان چند مثالوں کے بیان سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اگر ہم اس نہج پر سوچنا شروع کر دیں کہ تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلے میں جو اختلافات ہمیں دکھائی دیتے ہیں، وہ اختلاف نہیں۔ بلکہ اُسوۂ رسول ﷺ میں تنوع کے مختلف پہلو ہیں۔ جسے فرمانِ نبوی ﷺ میں ''إختلاف أمتي رحمة'' فرمایا گیا ہے۔ اختلاف، انتشار اور تنوع کے اس فرق کو ہمیں سمجھنا ہوگا۔ تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیں اختلاف و انتشار نہیں، بلکہ ہمیں

www.rahmia.org

مسائل کے حل کرنے کے متنوع طریقوں کا سبق دیتا ہے۔ تنوع کو بڑھا کر انتشار تک لے جانا اس حکمِ قرآنی: وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ (یہ ہمیشہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے۔ سوائے ان لوگوں کے، جن پر تیرے ربّ نے رحم فرمایا۔) (11:118-119) کے بھی خلاف ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، از مولانا تقی امینی، ص272، (مطبع اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1983۔ تیسری اشاعت)

2۔ الموافقات فی اصول الشریعہ، از علامہ شاطبی، 2/4 (مطبع رحمانیہ بمصر، تاریخ غیر مذکور)

3 نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف، مجموعہ رسائل ابن عابدین بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص273۔

4۔ ابوزہرہ، امام مالک، بحوالہ ''اسلامی فقہ کے اصول ومبادی''، مؤلفہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی، ص184، (دار التذکیر، لاہور)

5۔ فلسفہ شریعت اسلام، از ڈاکٹر صبحی محمصانی، مترجم مولوی محمد احمد رضوی، ص295، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1981، طبع ششم۔

6۔ اسلامی قانون کی تدوین، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 1991ء۔

7۔ فلسفہ شریعت اسلام، از ڈاکٹر صبحی محمصانی، ص296۔

8۔ ''تعامل، عادت اور عرف، اسلامی قانون کی نظر میں''، ماہانہ مجلّہ فکر ونظر، جون 1983ء، ص11۔

9۔ ایضاً، ص12۔

10۔ سورۃ البقرہ: 189/2۔

11۔ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی، ''اسلامی فقہ کے اصول ومبادی''، ص191۔

12۔ الموافقات للشاطبی، 297/2۔

13۔ الجامع الصحیح بخاری، نور محمد اصح المطابع، طبعہ ثانیہ، 1961ء، 294/1۔

14۔ سورۃ النساء: 6/4۔

15۔ سورۃ البقرہ، 236,180,178,233,228/2، النساء: 19/4۔

16۔ احکام القرآن، بحوالہ اسلامی فقہ کے بنیادی اصول ومبادی، ص186۔

17۔ احکام القرآن، بحوالہ ایضاً، ص187۔

18۔ الموسوعہ الفقہ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، الکویت، الطبعۃ الاولیٰ، 1993ء، 53/30۔

www.rahimia.org

19۔ فلسفہ شریعت الاسلام، از ڈاکٹر صبحی محمصانی، ص 299۔

20۔ سورۃ البقرہ: 285/2۔

21۔ الموافقات للشاطبی، 3/4-7۔

22۔ اُسوۂ صحابہؓ، از مولانا عبدالسلام ندوی، 258/2۔

23۔ خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، بحوالہ مبادیٔ تدبر حدیث، ص 79، مؤلفہ امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، طبع دوم۔

24۔ خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، المکتبہ علمیہ، بیروت، ص 151۔

25۔ الجامع الصحیح البخاری، ص 515/1۔

26۔ علامہ ابن حجر احمد بن علی، شرح نخبۃ الفکر، ص 81، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1974ء۔

27۔ الاحکام فی اصول الاحکام، 89/2-92، دارالآفاق الابدیہ، بیروت، الطبع الاولیٰ، 1970ء۔

28۔ الکفایہ فی علم الروایہ، بحوالہ مبادیٔ تدبر حدیث، ص 80۔

29۔ قرآنی شعورِ انقلاب، از مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص 313، طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔

30۔ سورۃ التوبہ: 100/9۔

31۔ سورۃ البقرہ: 124/2۔

32۔ سورۃ الحجرات: 29/49۔

33۔ سورۃ الاحزاب: 43/33۔

34۔ سورۃ البقرہ: 137/2۔

35۔ سورۃ الحجرات: 7/49۔

36۔ سورۃ الانفال: 74/8۔

37۔ الجامع الصحیح البخاری، 515/1، بروایۃ حضرت عمران بن حصینؓ۔

38۔ ایضاً، بروایۃ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

39۔ امام شافعیؒ، الرسالہ، مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ، مصر، ص 402۔ حاشیہ پر احمد شاکر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مشہور اور صحیح ہے۔ اسے مسند احمد نے دو طرح روایت کیا ہے۔ ایک عن عبداللہ بن دینار ابن عمر عن عمر او دوسری عن عبدالملک عن جابر بن سمرہ عن عمر۔ مسند طیالسی نے ایک اور سند سے روایت کی ہے۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی۔ اور ترمذی نے کہ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ۔ حاکم نے اسے عبداللہ بن دینار کے طریق کے علاوہ عامر بن سعد بن ابی وقاص عن ابیہ عن عمر کے طریق سے روایت کیا۔ حاکم اور ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا۔ اس حدیث کو بالمعنی طور پر صحیح اسناد سے ابن مسعود، عمران بن حصین، عائشہ اور جعدہ بن ہبیرہ سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

40۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب للنووی، 300/1۔

www.rahimia.org

41۔ خطیب بغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، ص79۔
42۔ المستصفیٰ للغزالی، 157/1۔
43۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ایضاً۔
44۔ الاستیعاب۔
45۔ الاصابہ لابن حجر، 11/1۔
46۔ بخاری، ایضاً۔
47۔ ابوزہرہ، تاریخ حدیث ومحدثین، ناشران قرآن لمیٹڈ، لاہور، تاریخ طبع غیر مذکور، اردو ترجمہ غلام احمد حریری، ص195۔
48۔ سورۃ النساء: 115/4۔
49۔ علامہ شاطبیؒ، الموافقات، ایضاً۔
50۔ سورۃ التوبہ: 119/9۔
51۔ سورۃ المائدہ: 119/5۔
52۔ موافقات: 2/4، بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص264۔
53۔ ابوداؤد وترمذی (بحوالہ موافقات، ایضاً)۔
54۔ احمد، ابن ماجہ، ترمذی (بحوالہ موافقات، ایضاً۔
55۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، ترمذی (بحوالہ موافقات، ایضاً) حاشیے پر شیخ عبداللہ دراز نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے کئی طرق ہیں۔ اور یہ کثیر صحابہ سے ملتے جلتے الفاظ میں مروی ہے۔
56۔ زرین، مشکوٰۃ، بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص265۔
57۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ خلفاء الراشدہ۔
58۔ الاتفاء تہذیب التہذیب، بحوالہ فقہ اسلامی کا ارتقا، ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مطبوعات حرمت، راولپنڈی، طبع اول 1983ء، ص12۔
59۔ ڈاکٹر شعبان محمد اسماعیل، تہذیب شرح الاسنوی علی منہاج الوصول الی علم الاصول للقاضی بیضاوی، مکتبہ جمہوریہ، 1996ء۔
60۔ تفصیل کے لیے دیکھیں! ڈاکٹر احمد حسن، متقدمین مکاتب فکر کا نظریۂ اجماع، مقالہ، ماہنامہ فکر ونظر، اسلام آباد، اکتوبر 1968ء۔
61۔ مولانا محمد حنیف ندوی، مسئلہ اجتہاد، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع سوم 1983ء، ص109۔
62۔ توضیح تلویح، 17/2، بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص296۔
63۔ علامہ سرخسی، اصول سرخسی 318/1۔
64۔ سورۃ مجادلہ: 22/58۔

www.rahimia.org

سفر نامۂ حج

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے سفرِ حرمین شریفین کے حالات و واقعات

تحریر: مولانا محمد عاشق پھلتیؒ
ترجمہ وتحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

www.rahimia.org

تمہید

(حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل لکھی گئی کتابوں میں سب سے پہلی کتاب ''القول الجلی فی ذکر آثار الولی'' ہے۔ یہ کتاب حضرت شاہ صاحبؒ کے خصوصی منظورِ نظر اور ماموں زاد بھائی حضرت مولانا محمد عاشق پھلتی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کی ہوئی ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ خود حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اس پر نظر ثانی کی ہے۔ اور اسے ملاحظہ فرما کر اس کی تصویب کی ہے۔ شاہ صاحبؒ کے تذکروں میں یہ کتاب بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اب تک کی معلومات کے مطابق اس کا ایک مکمل نسخہ کتب خانہ انوریہ، تکیہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری، ضلع لکھنؤ (انڈیا) میں محفوظ ہے۔ اور ایک ناقص نسخہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ، بہار (انڈیا) میں بھی موجود ہے۔ 1989ء میں اس نسخے کا مکمل عکس طبع ہوا تھا۔ جب کہ اس کا ایک اردو ترجمہ اس خانقاہ کے سجادہ نشین کے بھتیجے مولانا تقی انور علوی نے کیا تھا۔ یہ عکس اور اس کا ترجمہ (مطبوعہ 1988ء) شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی سے طبع ہوا تھا۔

مولانا محمد عاشق پھلتی نے اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہر ایک حصے کو ''قسم'' کا عنوان دیا۔ پہلی قسم میں شاہ صاحبؒ کے پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالاتِ زندگی ایک ترتیب کے ساتھ قلم بند کیے ہیں۔ نیز اس میں آپ کے کمالات اور مکشوفات کا بیان ہے۔ جب کہ دوسری قسم میں حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات و ارشادات جمع کیے ہیں۔ اور تیسری قسم میں آپؒ کے خلفا اور اجازت یافتگان کے مختصر حالاتِ زندگی بیان کیے ہیں۔

اس کتاب کی جمع و ترتیب کے کام کا آغاز حضرت شاہ صاحبؒ کے سفرِ حج کے دوران مکہ مکرمہ کے قیام میں ہوا۔ چناں چہ اس کتاب کے مقدمے میں مولانا محمد عاشق پھلتی تحریر فرماتے ہیں:

''راقم السطور حضرت مرشدی و مولائی شاہ ولی اللہ کے ساتھ اونٹنی پر سوار تھا کہ 11/ شعبان 1144ھ کو جب کہ مدینہ طیبہ سے ہم مکہ معظّمہ لوٹ رہے تھے، ''رابغ'' کے مقام پر آپ بڑے دقیق اَسرار اور حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے۔ اس حال میں شاہ صاحب نے فرمایا: ''کیا کوئی ہے، کہ جو ان حقائق و معارف کو قلم بند کرلے؟ تاکہ لوگ سمجھ سکیں۔ اگر کوئی قلم بند کرلے تو تو یقیناً اس کے ضمن میں بہت سے اَسرار پائے گا۔ اور عظیم فوائد کا مشاہدہ کرے گا۔'' چناں چہ اس خاکسار نے اس حکم کے مطابق لکھنا شروع کیا۔ اور اسی وقت مختصراً اس کتاب کا مقدمہ لکھا۔ جو اس جلیل القدر کام کے لیے عزمِ مصمم کی تمہید بن گئی۔ چناں چہ پندرہ شعبان کو مکہ معظّمہ میں اس کام کی ابتدا ہوئی۔ .... اور اس کتاب کا نام ''القول الجلی فی ذکر آثار الولی'' رکھا۔'' (1)

اس کتاب سے پہلی بار حضرت شاہ صاحبؒ کے سفرِ حج کے بارے میں مفصل معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے مشہور سفرِ حج سے سات سال پہلے (1135ھ/1723ء) حج کے ارادے سے ایک سفر کیا تھا۔ گو اس سفر میں آپؒ حرمین شریفین نہ پہنچ سکے، لیکن اس کے فیوض و برکات سے بہت زیادہ مستفید ہوئے۔ اور خلعتِ حقانیہ سے سرفراز ہوئے۔

شاہ صاحبؒ کے ان اسفارِ حج کے بارے میں حضرت مولانا محمد عاشق پھلتیؒ کے تحریر کردہ تفصیلات کو ''سفر نامۂ حج'' کی صورت میں اردو ترجمہ کرکے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے ان اسفار کے دوران راستوں میں واقع شہروں میں حضرت شاہ صاحبؒ کے قیام اور مختلف مشائخ سے آپؒ کی فیض یابی اور بہت سے شہروں کے علما اور طلبا کا آپؒ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے حوالے سے بہت سی نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے پیشِ نظر حضرت شاہ صاحبؒ کے سفر نامۂ حج کی تفصیلات ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔ آزاد)

1135ھ/1723ء میں حج کے ارادے سے پہلا سفر

ان دنوں میں جب کہ حضرت اقدس (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کا سنِ شریف بیس سال (اندازاً 1135ھ/1723ء) کا تھا کہ ایک روز بغیر کسی سابقہ تقریب اور ارادہ و خیال کے آپؒ کے اسرارِ منزل دل میں سفر کا شوق پیدا ہوا۔ اور گھر بار اور دوست احباب کو چھوڑنے کا عزم پختہ ہوگیا۔ چوں کہ اس عالمِ ناسوت (انسانی دنیا) میں ''سیر الی اللہ'' (اللہ کی جانب سیر) سے مراد ''سفرالٰی بیت اللہ'' (بیت اللہ الحرام کی طرف سفر) ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ نے اس عزم کو حجاز کے لیے متعین فرما لیا۔ لیکن جب دیکھا کہ عزیز و اقارب اور دیگر رشتے دار حتیٰ کہ والدہ ماجدہ بھی اس سفر سے روکنا چاہتی ہیں۔ اور سیر و سفر کی اجازت نہیں دے رہی ہیں تو آپ نے اپنے اس ارادے کو چھپانے کی کوشش

کی۔ اور تمام لوگوں سے اس کام کو پوشیدہ رکھا۔ اور دوسری جانب سفر کا عزم ظاہر فرمایا۔ اور جب کہ اپنے باطن میں اپنے مقصد کی طرف توجہ رکھی۔ اور اس مقولے کے مطابق کہ "إذا جاء نهر الله بطل نهر عيسىٰ" (جب اللہ کی نہر آجائے تو عیسیٰ کی نہر باطل ہو جاتی ہے۔)(2) جب اللہ نے آپ کے دل میں اس سفر کا عزم پختہ کر دیا، تو آپ نے تمام عزیز و اقارب اور حق داروں کے حقوق کی رعایت کو نظر انداز کر دیا۔ اور محبوبِ خداوندی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

چلتے وقت اپنے ان ساتھیوں سے، جنھوں نے آپ کی اتباع اختیار کرنے کے لیے کمر باندھ لی تھی، اپنے اس مبارک ارادے کو اشاروں کنایوں میں بیان فرما دیا۔ چوں کہ وہ سب لوگ آپ کے جذبے کے پروردہ تھے اور اس کے باوجود کہ ان میں سے ہر ایک فرد پیدل ایک میل چلنے کی بھی سکت نہ رکھتا تھا۔ آپ کی ہم رکابی کی سعادت کو غنیمت سمجھا۔ اور بغیر کسی سفر خرچ اور سواری کے بڑے شوق کے ساتھ اس سفر میں آپ کی اتباع اختیار کی۔

اس سفر کی متعدد کرامات:

اس کام یاب سفر میں آپؒ سے کئی کرامات کا ظہور ہوا:

1۔ اللہ تعالیٰ تمام اُمور کا کفیل ہے

ان میں سے ایک یہ ہے کہ سفر پر روانہ ہونے کے وقت زبانِ غیب سے بیان فرمایا کہ:

''حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمارے تمام امور کا کفیل ہے۔ اس سفر میں ہرگز بھوکا نہ رکھے گا۔ اور صحیح سلامت واپس لائے گا۔'' یہ بات اس طرح پوری ہوئی کہ سفر خرچ کی کمی کے باوجود، کہ گھر سے روانہ ہوتے وقت تین چار روپے سے زیادہ نہ تھے، پورے سفر میں کہیں فاقہ نہیں کرنا پڑا۔ بلکہ دورانِ سفر سب لوگ بہترین مرغن کھانے کھاتے رہے۔ اور جس دن بعض دوستوں نے سفر خرچ کی کمی کو دیکھتے ہوئے سستا غلہ خریدا، اسی روز بعض کاموں کی وجہ سے روزمرہ کے اخراجات سے زیادہ بے فائدہ خرچ کرنا پڑا۔ تب حضرت اقدس نے فرمایا کہ: ''جب ہم نے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی کفالت پر مکمل اعتماد کر لیا ہے تو اب وہ اس پر راضی نہیں ہے کہ ہم کھانے میں گھٹیا چیز استعمال کریں۔ تا کہ خرچ میں کفایت ہو۔ بلکہ دوستوں میں سے ہر شخص کو اس کا اختیار ہے کہ اسے جس چیز کے کھانے کا دل چاہے، وہی پکائے۔''

2۔ مشقت برداشت کرنے کی طاقت

دوسرے یہ کہ روانہ ہوتے وقت آپؒ نے اپنے ساتھیوں سے یہ فرمایا کہ: ''میرا دور دراز سفر کا عزم پختہ ہو چکا ہے۔ جو اپنی رضا مندی اور خوشی سے یہ مشقت اٹھانے پر راضی ہو، وہ ساتھ چلے۔ ورنہ کسی پر زور نہیں اور نہ اس پر کوئی الزام ہے۔ وہ (خواہ مخواہ) اس سفر کی تکلیف نہ اٹھائے۔'' اگرچہ آپؒ کے تمام ساتھیوں میں سے ہر ایک فرد اپنے گھر میں ناز و نعم میں پرورش پائے ہوئے تھا اور ایک منزل (تقریباً 3 میل) بھی پیدل چلنا اس کی طاقت

سے باہر تھا، اس کے باوجود انھوں نے اس طویل سفر کو گوارا کیا۔ اور اس حد تک محنت و مشقت کو بڑی محبت اور چاہت سے برداشت کیا۔ اور ان کا دل اپنے گھر بار اور دوستوں سے اتنا دل برداشتہ ہوا کہ اگر کسی وقت وطن کا تصور آتا بھی تو اس کے دل میں اس سے نفرت اور وحشت پیدا ہو جاتی۔

3۔ مشقت کے باوجود حقائق و معارف کا بیان

تیسرے یہ کہ خود حضرت اقدسؒ کا یہ حال تھا کہ خوش حالی اور آسانی میں پرورش پانے کے باجود سامانِ سفر اٹھانے اور سفر کی تکالیف اٹھانے میں برابر کے شریک تھے۔ اور راستہ چلنے میں تمام ہمراہیوں سے آگے چلتے تھے۔ اور جس طرح (دہلی میں) اپنے دولت خانے پر حقائق و معارف بیان فرماتے تھے، سفر کی اس سختی و نرمی کی حالت میں بھی بغیر کسی فرق اور کمی کے اسی ذوق و شوق کے ساتھ حقائق و معارف بیان فرماتے رہے۔ اور تمام ساتھیوں کے لیے یہ چیز مزید حیرت و استعجاب کا باعث تھی کہ باوجود طبعی نازک مزاجی کے اتنی مشقت گوارا کرنے کے بعد بھی مزاجِ مبارک میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں تھی۔ بلکہ وہی شگفتگی اور تازگی باقی ہے۔ اور ذوق وشوق اور حقائق و معارف بیان کرنے کے دوران کسی قسم کی کوئی کوتاہی و کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور یہ بات انسانی حوصلے سے باہر ہے۔

4۔ ''خلعتِ حقانیہ'' عطا کی گئی

چوتھے یہ کہ جب ساحل سمندر پر پہنچے، گو کہ جہازوں کی روانگی کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ اور کوئی سواری حجاز کی جانب جانے والی باقی نہ رہی تھی۔ کچھ ضرورت کے تحت شہر ''کھمبایت'' کی ایک عمارت میں چند روز قیام فرمایا۔ انہیں ایام میں ایک دن بعد عصر مراقبے کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں مکمل استغراق پیدا ہوا۔ کچھ دیر استغراق کے بعد اپنا سر مبارک مراقبے سے اٹھایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ: ''میں نے اس وقت عجیب واقعہ دیکھا۔ کہ جیسے کوئی چیز مجھ سے کھینچ لی گئی۔ اور میرا نفسِ ناطقہ محض خالی اور حیران رہ گیا۔ اچانک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُر فتوح تشریف لائی۔ اور مجھے ''خلعتِ حقانیہ'' پہنائی۔ اور میرا نفس ناطقہ ''حق''، ''حق''، ''حق'' کے الفاظ کے ساتھ ذکر اللہ میں مشغول ہو گیا۔ اور ایک قسم کی دلی ٹھنڈک و طمانیت مجھے حاصل ہوئی۔'' (3)

اس وقت ایسا معلوم ہوا کہ اس سفر سے غرض اسی مقام کا حصول تھا کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ نے ہر چیز کا حصول انہیں اسباب پر موقوف کر رکھا تھا۔ اور اب دل اس سفر سے سرد ہو چکا ہے۔ (آپ کا یہ فرمانا تھا) کہ اسی وقت آپ کے تمام ساتھیوں کے دل بھی اس سفر سے برگشتہ ہو گئے۔ اور مزید سفر کرنے کا ارادہ مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ اگرچہ ساحل سمندر تک پہنچ چکے تھے، لیکن سب نے بغیر حج کیے ہوئے وطن واپسی کا ارادہ فرمایا۔

اُسوہٴ نبویؐ سے آپؒ کی مناسبت

جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وعدے پر یقین کر کے سامانِ سفر تیار کیا تھا۔ اور مکہ

معظّمہ کی طرف سفر کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور پھر اسی سال صلح حدیبیہ واقع ہوئی۔ اگرچہ ظاہری طور پر فتح حاصل نہ ہوسکی، لیکن وہی صلح بہت سی فتوحات کی کنجی بن گئی۔ اور پھر ایک مدت کے بعد فتح کا وہ مقصد بھی پورا ہوا۔ اسی طرح اس سفر میں اگرچہ (ظاہری) حج میسر نہ ہوا، تاہم یہ سفر اور سیر وسلوک، باطنی فتوحاتِ عالیہ پیدا کرنے کا سبب بن گیا۔ اور اس کے سات سال بعد دولتِ حج بھی میسر آ گئی۔ حضرت اقدس کی ہمتِ عالیہ میں بچپن سے ہی ظاہری اور باطنی طور پر سرورِ جہاں افضل الصلوات والتسلیمات کی سنت کی مکمل اتباع کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ بات آپ کی طبیعت میں فطری طور پر رکھ دی گئی۔ گویا یہ امر آپ کی تقدیر بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس سے اس سفر میں بھی سنتِ نبویؐ کو بے اختیار پورا کروادیا۔

5۔ مقام ''مُفہمیّت'' و ''مُحدّثیّت'' سے مشرف ہونا

پانچویں یہ کہ اس کامیاب سفر سے واپسی کے وقت آپؒ مقامِ ''مُفہمیّت'' و ''مُحدّثیّت'' سے مشرف ہوئے۔ جیسا کہ حدیثِ نبویؐ میں ارشاد ہوا ہے:

''کانوا فی الأُمم السابقة مفهّمون ومحدَّثون إن كان فی امتی أحد یکون عمر. أو کما قال علیه الصلوة و السلام.'' (4) (سابقہ امتوں میں مفہمین اور محدث ہوتے تھے۔ اور اگر میری اُمت میں کوئی (مفہم یا محدث) ہوتا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوتے)

اسی مقام کے معنی اور مفہوم کی آپؒ کو خبر دی گئی۔ اور اس سے آپؒ کو مشرف کیا گیا۔ چناں چہ اس مقام کے اسرار وعلوم آپؒ نے ''تفہیماتِ الٰہیہ'' میں بڑی عمدگی اور خوب صورتی سے تحریر فرمائے ہیں۔ یہ کتاب حضرتِ اقدس کی تصانیف میں سے ہے۔ اور اس کا ہر کلمہ اور حرف اسرار و معارف کا خزانہ اور جوہر ہے۔ اور اس کی ہر تفہیم لفظ ''فهّمنی ربّی'' کے عنوان سے معنون ہے۔

6۔ رُفقائے سفر میں ایک ساتھی کی اصلاح

چھٹے: یہ کہ اس سفر کے دوران حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپؒ کو یہ الہام فرمایا کہ: ''تمہارے فلاں ساتھی کا دل امرِ الٰہی کی تعظیم میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے بہت بڑی آفت میں مبتلا ہوگیا ہے۔ اس سے کہو کہ اپنے نفس کی خبر لے۔ ورنہ اس کا دین برباد ہو جائے گا۔'' پس حضرت اقدسؒ بغیر کسی ظاہری سبب کے اس پر غضب ناک ہوئے۔ اور اس کو اس بات کی خبر دی۔ اس عزیز نے اپنے اُن بعض خطرات (غلط خیالات) کا اعتراف کیا، جو اس کو لاحق ہو گئے تھے۔ اور توبہ تائب ہوا۔ اور اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔

7۔ رفیقِ سفر مریض کی صحت کی دعا کا قبول ہونا

ساتویں: یہ کہ لوٹتے وقت آپ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتہائی کمزوری کی وجہ سے پیدل چلنے کی سکت

نہیں رکھتا تھا۔ اور اس حالتِ مرض نے اتنی شدت اختیار کی کہ اُسے اُٹھنے بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ اور نہ کوئی سواری ہی موجود تھی۔ اس کی ایسی حالت کے پیش نظر ساتھیوں کا دل بہت پریشان ہوا۔ چناں چہ حضرتِ اقدس نے اپنے بعض دوستوں کو کچھ بستیوں میں اس مریض کے لیے سواری کی تلاش میں روانہ فرمایا۔

رات کے وقت خاکسار کاتبِ حروف (محمد عاشق پھلتی) حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ اللہ کا وعدہ تو یہ ہے کہ تمام رفقا اس سفر سے صحیح سالم اور عافیت کے ساتھ وطن پہنچیں گے، لیکن اب تو عجیب صورتِ حال ہے کہ ''نہ پائے رفتن و نہ جائے ماندن'' (یعنی نہ جانے کی کوئی جگہ ہے۔ اور نہ ٹھہرنے کی رائے ہوسکتی ہے۔) اس عزیز مریض کو بہت زیادہ کمزوری کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے کی ہی طاقت نہیں ہے، چہ جائے کہ پیدل چل سکے۔ نیز رفقائے سفر بھی اس کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور اس ملک ''راجپوتانہ'' میں، جو مکمل کفرستان ہے، کوئی واقف کار بھی ایسا نہیں، جس کے ذریعے کسی سواری کے دست یاب ہونے کی توقع کی جائے۔ اب تو آپ ہی دعا فرمائیں۔ اور اپنی توجہ اور ہمت اس طرف متوجہ فرمائیں۔ تاکہ یہ مشکل حل ہوجائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اچھا! تم یہاں حاضر رہو۔ اور ہم جب نمازِ عشا سے فارغ ہو جائیں تو اس وقت اس کی یاددہانی کرا دینا۔ تاکہ اس سلسلے میں دعا کی جائے۔'' اس خاکسار نے مقررہ وقت پر مذکورہ معاملہ دوبارہ خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ آپؒ نے اسی وقت دستِ مبارک باکرامت اٹھائے۔ اور دعا فرمانے لگے۔ ہم خدامِ وقت آمین کہتے جاتے تھے۔ جیسے ہی دعا سے فارغ ہوئے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت اقدس کو الہام فرمایا۔ کہ: ''تمہاری دعا قبول ہوگئی۔ اور بند دروازہ کھل گیا۔'' آپ نے جیسے ہی اپنے رفقا سے یہ بات بیان فرمائی، سب اس جانفزا خوش خبری سے بے حد مسرور ہوئے۔ اور اسی وقت سے اس مریض کی حالت بہتر ہونا شروع ہوگئی۔ اور جو احباب سواری کے لیے بھیجے گئے تھے، وہ دوسرے روز ایک بیل ایسی جگہ سے لائے، جہاں سے اس کے ملنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چناں چہ اسی دن سے وہ عزیز لحہ بہ لحہ صحت مند ہوتے گئے۔ اور ہر روز نمایاں فرق ظاہر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ پانچ چھ روز میں ان کو اتنی طاقت آگئی کہ تین چار کوس (میل) سفر طے کرسکے۔ ان کی اتنی جلد صحت یاب ہونے میں حضرتِ اقدس کی کرامت صاف ظاہر تھی۔

اسی دوران حضرتِ اقدس کو دوبارہ الہام ہوا کہ ''اس مریض پر یہ آفت طے شدہ تھی۔ اور محض تمہاری ہمت و توجہ کی وجہ سے اس مریض کو شفا حاصل ہوئی ہے۔ چناں چہ یہ دعا اس قضا کو ٹالنے کا باعث ہوئی۔ لیکن بہرحال اس قضا کا ظہور لازمی ہے۔ خواہ کسی کی موت کی صورت میں ہو یا کسی شے کے ضائع ہونے کی شکل میں ہو، اس کے (انتخاب) کا تمہیں اختیار ہے۔'' جب حضرتِ اقدس نے اپنے رفقا سے یہ بیان کیا تو اس بندہ نے عرض کیا کہ: ہم عاجز بندوں میں سے کسی کو اس بوجھ کو اُٹھانے کی طاقت نہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ موت کی شکل میں ہو تو رفقا میں سے ہر ایک شخص دوسرے کو انتہائی پیارا ہے۔ اور دنیا کے مال میں سے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ کہ اس کا ضائع ہونا

اختیار کرلیا جائے۔ اب تو آپ ہی دعا فرمائیں۔ اور ہمتِ باطنی اس طرف متوجہ فرمائیں۔ تاکہ جو نئی تشویش ظاہر ہوئی ہے، اس فیصلے کو ٹالنے کے لیے کافی ہوجائے۔ یہ سنتے ہی حضرتِ اقدس نے دوبارہ اس طرف متوجہ ہوئے۔ اور دعا فرمائی۔ چناں چہ آپ نے قبولیت کی بشارت پائی۔ اور ہم خادم لوگ باری جل وعلیٰ کا شکر بجا لائے۔ اس کے باوجود کہ راستہ انتہائی دشوار اور خطرناک تھا اور تمام لوگوں کے لیے محفوظ راستے بند ہوچکے تھے۔ لیکن حضرتِ اقدس کی توجہ مبارکہ سے ہم خیریت و عافیت کے ساتھ وطن واپس پہنچ گئے۔ **فالحمد لله علیٰ ذالک حمداً یوافی نعمه ویکافی کرمهٗ** '' (اس کامیابی پر سب تعریفیں اُسی اللہ ہی کی ہیں۔ جو اپنی نعمتیں پورے طور پر عطا کرنے والا ہے۔ اور اپنی مہربانی اور کرم عطا کرنے والا ہے۔)

اس سفر کے دوران ''احمد آباد'' کے دو طالبِ علموں کی بیعت

اس سفر کے دوران حضرتِ اقدس کا ''احمد آباد'' سے گزرنا ہوا۔ تو اس جگہ دو طالبِ علم حضرت اقدس کی کیمیا گر صحبت اور معیت سے مشرف ہوئے۔ اور پہلی ہی ملاقات میں حضرت اقدس کے جذبِ صحبت اور بخشش وعطا کے فیض نے ان پر ایسی کیفیت طاری کردی کہ انھوں نے ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر آپ کی صحبت کے لیے سفر کی معیت اختیار کرلی۔ حضرت اقدس نے وقت کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو اس چیز سے روک دیا۔ اور وطن مبارک تشریف لے آئے۔ لیکن بالآخر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر شاہ جہاں آباد (دہلی) پہنچ گئے۔ اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر قدم بوسی کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ اور اشغالِ طریقت میں سے کسی شغل کو حاصل کرنے کی درخواست پیش کی۔ حضرت اقدس نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا۔ اور ہر ایک کو اس کی صلاحیت اور ترقیِ کمال کے مطابق ذکر و شغل کی مقدار کی تلقین کی۔ اور فرمایا کہ: ''اگر کوشش کرتے رہوگے اور مشق بڑھاتے رہوگے تو اس مرتبے پر پہنچ جاؤ گے۔ اور اس سے زائد ترقی تمہاری استعداد اور حوصلے سے باہر ہے۔'' اور ہر ایک کو علاحدہ علاحدہ ''تصوف'' کے اشغال کی تعلیم فرمائی۔ اور ہر ایک کو اسی دائرے پر قائم رہنے کی تاکید کی۔

ان میں سے ایک شخص پر تو آپ کے ارشاد کے مطابق ایسے احوال ظاہر ہوئے۔ اور پھر وہ اس دارِ فانی سے رحلت کرگیا۔ اور دوسرا ابتدا میں مزید ترقی کی طلب میں آپ کی مقررہ تلقین سے زیادہ کے لیے سرگرداں اور پریشان رہا۔ اور دوسرے درویشوں سے رجوع کرتا پھرا۔ لیکن کوئی فائدہ بھی حاصل نہ کرسکا۔ آخرکار مایوس ہوکر بیٹھ گیا۔ پھر آپ کی ہی مقررہ تلقین پر استقامت اختیار کی۔ تب اس کے فوائد ظاہر ہوئے۔ اور ملک سندھ میں ''ٹھٹھہ'' کے اطراف میں بہت سارے لوگوں نے اس سے استفادہ کیا۔ اور حسبِ استعداد اس سے فیض یاب ہوئے۔

(القول الجلی فی ذکر آثار الولی، ص25 تا 30، فارسی مخطوطہ، مطبوعہ حضرت شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی)

www.rahimia.org

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا سفرِ حج 44-1143ھ

حضرت اقدس کا مشاہدہ اور سفرِ حج کی بشارت

افادہ: حضرتِ اقدس (شاہ ولی اللہ دہلوی) نے اپنے بعض مشاہدات میں دیکھا کہ:

''ان کے دستِ مبارک میں نور کا ایک جھنڈا ہے۔ اور آپ اسے اٹھائے ہوئے بیت اللہ کی جانب رواں دواں ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ جھنڈا بلند ہونا شروع ہوا۔ اور اس کے انوار کی تیز روشنیاں اور کرنیں بہت زیادہ پھیلتی اور بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ آسمان تک پہنچ گئیں۔ اور آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہوگئیں۔ اور اس کا نور اس حد تک بڑھ گیا کہ لوگوں کی زبانیں اس کے بیان سے عاجز ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور علما و صلحا نے اس سے خوب استفادہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمتوں نے ظاہری و باطنی اَنوارات کی بارش برسائی۔''

یہ واقعہ حرمین شریفین کے دوبارہ سفر کا پیش خیمہ بن گیا۔ اور جو کچھ مشاہدہ فرمایا تھا، وہ سب اُسی طرح واقع ہوا۔ **والحمد لِلّٰہ علیٰ ذالک**

سفرِ حج کا آغاز

افادہ: جب (حضرت اقدس کے دل میں) حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً (اللہ تعالیٰ ان کی بزرگی اور عظمت میں اضافہ فرمائے۔) کے سفر مبارک کا ارادہ اور داعیہ پیدا ہوا۔ اور اس سفر کا عزمِ مبارک پختہ ہوگیا تو 8/ ربیع الثانی 1143ھ (21 اکتوبر 1730ء) کو اپنے بڑے ماموں قدوۃ اصحاب المعرفۃ و الأنبیاء عمدۃ اُربابِ حقیقت من اَہل اللہ شیخ عبیداللہ سلّمہم اللہ تعالیٰ (مؤلف کے والد ماجد) کی معیت میں شہر لاہور کے راستے (حج کے لیے) روانہ ہوئے۔ اس کام یاب سفر کے دوران جہاں کہیں بھی کسی ولی اور بزرگ کا مزار ہوتا، وہاں پر حاضر ہوتے۔ اور تھوڑی دیر اس جگہ قیام فرما ہوتے۔ اور جو کچھ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے انھیں نسبت ہوتی، وہ آپ پر منکشف ہوجاتی۔ آپ اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے۔

پانی پت، سرہند اور لاہور آمد

سب سے پہلے جب شہر پانی پت پہنچے تو حضرت شاہ شرف بوعلی قلندر، شاہ شمس (الدین) ترک (پانی پتی) اور شاہ جلال قدس اللہ اسرارہم کی قبروں پر حاضری دی۔ اس کے بعد سہرند (سرہند) پہنچ کر حضرت مجدد شیخ احمد سہرندی قدس سرہٗ کے مزار کی زیارت فرمائی۔ اس کے بعد لاہور میں پیر علی (بن عثمان) ہجویری قدس سرہٗ (المعروف داتا گنج بخش) کے مرقد کا مشاہدہ کیا۔

www.rahimia.org

ملتان آمد اور طلبا کا آپ کی طرف رجوع

اس کے بعد ملتان شہر میں پہنچ کر مخدوم بہاؤالدین اور شاہ رکن العالم قدس اللہ اسرارہما کے مزارات اور تربتوں پر بیٹھے۔ اور تمام اہل مزارات کے احوال ایک ایک کر کے بیان فرمائے۔

شہر ملتان میں طالبِ علموں کی اکثریت نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اور طریقت کے اشغال کا استفادہ کیا۔ ان میں سے بعض تو آپ کی ایک ہی توجہ مبارکہ سے ''مرتبۂ بے خودی'' پر پہنچ گئے۔ اور ایک مدت کے بعد ہوش میں آئے۔ اور انھیں افاقہ ہوا۔ اور ان میں سے بعض بے اختیار ہو کر نعرے مارتے تھے۔

آپ کے اس جگہ سے رخصت ہوتے وقت ان میں سے اکثر کا یہ حال تھا کہ وہ آپ کی صحبت کے حصول کے جذبے سے مغلوب تھے۔ اور یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے گھر بار اور دوست احباب کو چھوڑ کر اس سفر میں آپ کی معیت اختیار کرلیں۔ لیکن حضرت اقدس مصلحتِ وقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سب کو تسلی و تشفی فرماتے۔ اور انھیں اس سے روک دیتے۔

سندھ آمد اور علما و فضلا کا ملاقات کے لیے اشتیاق

جب آپ نے ملکِ سندھ عبور فرمایا، تو ہر سمت سے علما، فضلا اور طلبا آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر ملاقات کرنے کا شوق دل میں لیے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض اپنی قسمت کے مطابق دولتِ دیدار کا فیض حاصل کرنے میں کام یاب ہوگئے۔ اور بعض دیدار اور زیارت سے محروم رہے۔ اور جب شہر ''ٹھٹھہ'' کے مضافات میں ''نصرپور'' کے پاس سے گزرے، تو چند علما فضلا کا یہ حال ہوا کہ اس پُرمسرت خبر سے اپنے اپنے وطن سے بھاگ بھاگ کر آنے لگے۔ اور اکثر پانچ پانچ چھ چھ کوس (تین میل کا ایک کوس) کی مسافت طے کر کے رات کے وقت پہنچے۔ اور آپ کی صحبت اور معیت کا شرف حاصل کیا۔ اور اسی وقت حضرت اقدس کی بیعت کی لڑی سے اپنے آپ کو جوڑ لیا۔ اور طریقت کے اشغال حاصل کیے۔ اور اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوئے۔

ٹھٹھہ شہر میں آمد اور علما و صوفیا کی حاضری

جس وقت آپ نے شہر ٹھٹھہ میں نزول فرمایا تو اس شہر کے تمام علما و صوفیا حضرت اقدس کی صحبت اور معیت سے مشرف ہوئے۔ اور ایک جماعت بیعت کی سعادت سے سرفراز ہوئی۔ اور تصوف کا طریقہ حاصل کیا، اور اس کے اشغال سے استفادہ کیا۔

مخدوم محمد معین ٹھٹھوی کو اجازت و خلافت

مخدوم محمد معین (ٹھٹھوی)، جو اس شہر کے عظیم علما میں سے تھے۔ اور کتاب و سنت کے تمام علوم و فنون اور

www.rahimia.org

معقول و منقول پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ اور نیک لوگوں کے حالات اور اصطلاحات سے خوب واقف تھے۔ اور علومِ حقانی کے ادراک میں بڑا پختہ ذہن رکھتے تھے۔ انھوں نے حضرت اقدس کی صحبت کو غنیمتِ کبریٰ سمجھا۔ اور آپ کے جمالِ باکمال کے گرویدہ ہوگئے۔ اور انھوں نے آپ سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا۔ اور اجازت و خلافت کا شرف حاصل کیا۔

''انشاء اللہ ہم اس سال حج ضرور کریں گے''

اس دوران قافلے کی رفاقت کے سبب سفر کرنے میں بہت سے وقفے پیدا ہوگئے۔ اور یوں تاخیر ہوتی گئی۔ اور جہازوں کی روانگی کا وقت بہت نزدیک آچکا تھا۔ ہم تمام خادموں کو اکثر اوقات یہ بے چینی ہوتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے ساحلِ سمندر تک پہنچنے سے پہلے ہی جہاز روانہ ہوجائیں۔ اور حج کی دولت اس سال بھی نصیب نہ ہوسکے۔ حضرت اقدس نے اپنی باکرامت زبان سے فرمایا کہ: ''انشاء اللہ تعالیٰ اس سال ہم حج ضرور کریں گے۔''

''سورت'' کی بندرگاہ سے ''جدہ'' تک

جب سورت کی بندرگاہ میں داخل ہوئے، تو اس وقت تک راستے میں بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ اور تمام جہاز حجاز روانہ ہو چکے تھے۔ اور سفر کا موسم اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ مگر ایک جہاز موجود تھا۔ لیکن وہ بھی تاجروں اور حاجیوں سے اتنا پُر ہو چکا تھا کہ اس میں کسی اور کے بیٹھنے کی مزید گنجائش نہ تھی۔ اور قافلے کے اکثر لوگ یہاں مکان نہ ملنے کے باعث شہر ''سورت'' ہی میں ٹھہر گئے تھے۔ چوں کہ اللہ کا فضل شاملِ حال تھا، حضرت اقدس کے تمام خدام کو اسی جہاز میں جگہ مل گئی۔

آپ نے جب جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ کیا تو اکثر دوستوں نے عرض کیا کہ سفر کا موسم بالکل آخر ہو چکا ہے۔ بلکہ مطلق ختم ہو چکا ہے۔ اور اس کا خوف ہے کہ کہیں (خراب موسم کی وجہ سے) یہ جہاز تباہ نہ ہوجائے۔ بلکہ اسی کا یقین ہے۔ اس لیے کہ اول تو یہ جہاز بہت سست رفتار ہے۔ دوسرے گزشتہ کئی سالوں سے اس کی مرمت بھی نہ ہوسکی ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جہازوں کے سفر کرنے کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ مصلحت اسی میں ہے کہ یہیں پر ٹھہرا جائے۔ اور جہاز کے مسافر بھی اگرچہ حرم کے شوق میں سفر اختیار کر چکے تھے، لیکن دل ہی دل میں ڈر رہے تھے۔ بلکہ آپس میں کہتے تھے کہ: ''اگرچہ ہماری منزل جدہ ہے، جو حجاز کی بندرگاہ ہے، تاہم یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم وہاں کیسے پہنچ سکیں گے۔ اور اگر وہاں پہنچنا ممکن نہ ہوا تو مجبوراً کسی دوسری بندرگاہ پر جہاز لے جانا پڑے گا۔''

حضرتِ اقدس نے ان کی کسی بات کی پرواہ نہ کی۔ اور جہاز پر سوار ہوگئے۔ اور فرمایا کہ: ''انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس سال حج ادا کریں گے۔''

www.rahimia.org

مکہ معظّمہ آمد اور فریضۂ حج کی ادائیگی

قصہ مختصر، جہاز لنگر اٹھا کر روانہ ہوا۔ اور ہوا موافق ہونے کی وجہ سے پینتالیس ویں روز جدہ پہنچ کر لنگر انداز ہوا۔ اس واقعے سے جہاز کے تمام لوگ بڑے تعجب میں تھے۔ کہ اس زمانے میں جس تیز رفتاری سے یہ جہاز چلا ہے، کبھی اس سے قبل نہ چلا تھا۔ اور اس طرح 15/ ذی قعدہ 1143ھ (بمطابق 22 مئی 1731ء) کو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ اور عمرۂ تمتع ادا فرمایا۔ اور پھر ذی الحجہ میں فریضۂ حج ادا کیا۔

مسجدِ حرام میں سلسلۂ درس و تدریس

جب مکہ معظّمہ میں قیام پذیر ہوئے تو وہاں کے تمام اکابر علما وفضلا حضرتِ اقدس سے ملاقات کے لیے آئے۔ اور سب سے پہلے امتحان لیتے ہوئے ہر علم سے متعلق بہت سے سوالات کیے۔ اور جب ہر مسئلے کا جوابِ شافی پایا۔ اور تمام علوم وفنون اور معقول و منقول میں حضرتِ اقدس کو فائق و برتر سمجھ لیا۔ تو انھوں نے آپ کی خدمت میں درس دینے کی درخواست پیش کی۔ اور پھر آپ کی شاگردی اختیار کی۔ پس حضرت اقدس نے ان لوگوں کی اس درخواست پر مسجدِ حرام میں حنفی مصلّے کے قریب علوم کی شروح پر مشتمل درس دینا شروع کیا۔ چناں چہ اس درس میں اتنا زیادہ ہجوم ہونے لگا کہ آپ کی فرصت ختم ہو کر رہ گئی۔ اور مشکل ترین مسائل کے حل اور پیچیدہ باتوں کے کھول کر بیان کرنے میں آپ کی اتنی زیادہ شہرت ہوئی کہ اس جگہ کے بڑے بڑے علما کے سامنے بھی اگر کوئی پیچیدہ اور مشکل مسئلہ پیش ہوتا تو وہ حضرتِ اقدس کے سامنے پیش کر دیتے۔ اور اُسے حل کرنے کی درخواست کرتے۔ یہاں تک کہ حنفی و شافعی مسلک کے مفتی بھی مشکل مقدمات میں آپ سے ہی رجوع کرتے تھے۔

حرم میں آپ کی عظمت اور ہر دل عزیزی

چند ہی روز میں حضرت اقدس اس ملک میں اتنے باعظمت اور بڑے ہر دل عزیز ہو گئے کہ صحبت وطریقت کے تمام اکابر آپ کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے۔ اور بہت زیادہ تعظیم وتکریم سے پیش آتے تھے۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ: ''واللہ باللہ حضرت اقدس ہی تمام اہل مکہ میں سب سے بڑے بزرگ و برتر ہیں۔'' اور وہ لوگ اکثر آپ کی خدمتِ اقدس میں عرض کرتے کہ: ''آپ اسی جگہ کو اپنا وطن بنا لیں۔'' اور اس صوبے کے پاشا (گورنر) نے آپ کے تمام اخراجات کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ لیکن حضرتِ اقدس ان کی کسی بات کو قبول نہ فرماتے۔ اس پر وہاں کے اکابر علما کہا کرتے تھے کہ: ''اگر حق تعالیٰ سبحانہٗ اہل مکہ کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے تو آپ کو اسی جگہ رکھے گا۔''

ایک سوڈانی عالم کا خواب

ایک دن ایک سوڈانی عالم نے، جو ایک مدت سے مکہ معظّمہ میں رہتے تھے، خواب دیکھا کہ: ''ایک عزیز ان سے کہہ رہا ہے کہ اگر اقطاب کا عقیدہ سیکھنا چاہتے ہو تو شیخ ولی اللہ سے استفادہ کرو!'' پس یہ عالم اس خواب کے بعد حضرت اقدس سے بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اور طریقت کا سلسلہ اخذ کیا۔ اور بعض اسرار کا استفاضہ کیا۔ اور یہاں تک کہ حرمین شریفین کے بہت زیادہ لوگوں نے آپ سے بیعت کی سعادت حاصل کی۔ اور طریقت اشغال حاصل کیے۔

مدینہ منورہ آمد اور روضۂ رسول پر حاضری

حج ادا کرنے کے بعد ماہِ ربیع الاول 1144ھ (بمطابق ستمبر 1731ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانے کا عزم فرمایا۔ اس راستے کے دوران حضرت اقدس پر بہت سے اَسرار منکشف ہوئے۔ اور جس وقت مرقدِ مقدس علیٰ صاحبہ افضل الصلوات والتسلیمات کی زیارت کے شرف سے مشرف ہوئے، تو آں جنابؐ کی بے شمار عنایات وکرامات آپ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جس دن بھی مواجہہ شریفہ میں تشریف فرما ہوتے، نئے نئے اَسرار سے مستفیض ہوتے۔ چناں چہ کوئی مجلس ان سے خالی نہ ہوتی۔

شیخ عبدالکریم انصاری کا خواب

حضرتِ اقدس کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک بزرگ —— جو اکابر اہلِ مدینہ میں تھے —— شیخ عبدالکریم انصاری نے، حضرتِ اقدس کو خواب میں دیکھا۔ اور مواجہہ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں آپ کی عظمت اور شان کی بلندی ان کے سامنے ظاہر اور معلوم ہوئی۔ اس بنا پر وہ آپ کی بابرکت آمد کے منتظر تھے۔ پس جب آپ طَیْبَۂ طَیِّبہ میں داخل ہوئے تو وہ قافلے کے لوگوں سے حضرتِ اقدس کے بارے میں پوچھتے رہے۔ اور آ کر حضرت اقدس سے ملاقات کی۔ اور اپنے خواب کا قصہ بیان کیا۔ اور پھر روضۂ منورہ کے قریب اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کے مقام پر اپنے تک پہنچی ہوئی سند کی روایت کے ساتھ حدیثِ مسلسل کی روایت کی۔ اور اسے آگے بیان کرنے کی اجازت دی۔

مسجدِ نبویؐ کے شیخ طیب کے سوالات کے جوابات

مسجد نبویؐ کے مدرسین میں سے ایک شیخ طیب نے، جو شہر مدینہ کے مشہور عالم اور استاذ تھے، حضرتِ اقدس کی دعوت کی۔ آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے تو وہاں تمام علما اور فضلا بھی جمع تھے۔ اور جب آپ مجلس میں بیٹھ گئے، تو انھوں نے حضرت اقدس سے پوچھا کہ: ''کیا آپ عربی زبان میں بھی بات کر سکتے ہیں؟'' حضرت اقدس

نے تواضع اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''ہاں کچھ بول لیتا ہوں۔'' اس کے بعد انھوں نے کہا کہ: ''اکثر لوگ علوم میں اپنی مہارت و تبحر اور مشکل مسائل کے حل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن معقول کے بعض مسائل ایسے ہیں کہ ان کو کسی نے اب تک اچھی طرح بیان نہیں کیا ہے۔ اور ایک بات کو دوسرے میں داخل کر کے بے محل باتیں کرتا ہے۔ جیسے کہ ''تجدد ِامثال'' کا مسئلہ ہے۔ کہ اشاعرہ انھیں ''اعراض'' میں شامل کرتے ہیں۔ اور ان کو ''جواہر'' میں داخل کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ اس کی تحقیق کیا ہے؟ اور ان کے درمیان اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟

حضرتِ اقدس نے عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس کے بارے میں ایسی تقریر فرمائی، کہ وہاں موجود تمام فضلائے عرب آپ کی فصاحت و بلاغت پر تعجب کا اظہار کرنے لگے۔ آپ نے اس مسئلے کی تحقیق کے دوران ایسے ایسے دقیق نکات اور عمیق تدقیقات (گہری باریکیاں) بیان فرمائیں، کہ ان کے مفہوم سمجھنے کو انھوں نے غنیمتِ کبریٰ جانا۔ چہ جائے کہ سوالات و اعتراضات کرتے۔ اس کے بعد ان کو کوئی علمی بحث حضرتِ اقدس کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

حضرت غوث الاعظم کی ایک عبارت کی تشریح

انہیں دنوں میں ایک روز ایک شخص نے حضرت اقدس کی خدمت میں حضرت غوث الاعظم (شیخ عبدالقادر جیلانی) رضی اللہ عنہ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا کہ جو انھوں نے "غنية الطالبين" میں فرقۂ حنفیہ کے بارے میں فرمایا ہے۔ اور اس کی تحقیق کے بارے میں درخواست پیش کی۔ پس حضرت اقدس نے اس مقام کی ایسے طریقے پر تحریر فرمائی کہ وہاں کے تمام علما نے اسے پسند کیا۔ وہ تحریر یہ ہے......(5)

شیخ ابو طاہر کُردی کی خدمت میں

چوں کہ حضرت اقدس کی ہمتِ عالیہ نے بچپن سے ہی علمِ حدیث کی خدمت کو اپنے پیش نظر رکھا تھا۔ اور مدینہ منورہ ان علوم کا منبع ہے۔ اس لیے آپ نے چاہا کہ کوئی شخص ایسا ہو، جس کی سند بلند اور عالی ہو، اس سے کتبِ حدیث کی روایت کریں۔ اور اس سے سند حاصل کریں۔ چناں چہ حضرت شیخ ابو طاہر کردی مدنی مدینہ منورہ کے ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ اور علومِ ظاہری و باطنی کے جامع، ثقہ صوفی اور محدث تھے۔ کہ حرمین شریفین میں ان سے اونچی سند والا کوئی عالم نہ تھا۔ چناں چہ آپ نے ان کی طرف رجوع فرمایا۔ اور ان سے ''بخاری شریف'' کو پچاس مجلسوں میں از اول تا آخر مکمل طور پر کچھ سماعاً اور کچھ قراءۃً پڑھا۔ اور پوری ''مسند دارمی'' کو مسجد نبویؐ میں محرابِ عثمانی کے قریب آٹھ مجلسوں میں سنا۔ اور باقی کتابوں کو ابتدا سے کچھ پڑھ کر اجازت حاصل کی۔ شیخ ابو طاہر کردی نے ختم بخاری کے لیے ایک خاص مجلس منعقد کی۔ اور کھانا تیار کرایا۔ اور آپ کی بے حد تعظیم و احترام بجالائے۔

www.rahimia.org

شیخ ابوطاہر کردیؒ کے نزدیک حضرت شاہ صاحبؒ کی قدر و منزلت

بسا اوقات درس کے دوران ایسا ہوتا تھا کہ شیخ خود حضرتِ اقدس سے گہرے معانی کی تحقیق فرماتے۔ اور آپ کی جانب سے برجستہ، بہترین اور مکمل جوابات پاتے۔ اور اس پر بہت زیادہ تعجب کا اظہار کرتے۔ کہ اس کم عمری میں یہ علوم انھوں نے کہاں سے حاصل کیے! آخرکار جب حضرت اقدس کے بعض باطنی اَسرار پر انھیں اطلاع ہوئی تو آپ کے معتقد ہوگئے۔ اور استاد ہونے کے باوجود آپ کے سامنے شاگردی کا طریقہ برتتے تھے۔ اور تصوف کے بعض ایسے مشکل مسائل وغیرہ، جو ان کے والد سے بھی ––– جو علمائے محققین میں سے تھے ––– حل نہ ہو سکے تھے، حضرتِ اقدس کے سامنے اس درخواست کے ساتھ بیان کیے، کہ حضرت اقدس اپنے کشف سے اس کی وضاحت کریں۔ چناں چہ آپ نے ان کے خاطر خواہ جوابات دیے۔ اور ان مسائل کا بہترین حل حاصل کیا۔

حضرتِ اقدس جب بھی حضرت شیخ کے پاس تشریف لے جاتے، وہ آپ کو دیکھتے ہی سروقد تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاتے۔ اور اپنے ہاتھ سے مصلّی بچھا کر تکیہ لگاتے۔ اور آپ کو پوری تعظیم و تکریم کے ساتھ اس پر بٹھاتے۔ اور خود شاگرد کے طور پر آپ کے سامنے بیٹھتے۔

حضرت شیخ ابوطاہر کردی سے تحریری اجازتِ حدیث

جب حضرتِ اقدس نے شیخ سے (احادیث کی کتابوں کے) اجازت نامے کی درخواست کی تو فرمایا کہ: ''میں اس قابل نہیں کہ آپ کے لیے اجازت نامہ لکھوں۔ میں نے تو خود آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا ہے۔'' لیکن جب حضرتِ اقدس کا بے حد اصرار انھیں معلوم ہوا تو ضرورت کے طور پر اجازت نامہ تحریر فرمایا۔ اور اس میں بھی اس کا اظہار کیا۔ چناں چہ اجازت نامے کے بعض اشعار جو یہاں درج کیے جاتے ہیں، اسی کی نشان دہی کرتے ہیں:

اجزتک لکنی مثلکم من یجزنی و لم تستفد منی و لکن تفیدُنی
و اکثر ما ساویتنی فیّ انت فی غنی عنہ بل فی جلہ انت فقتنی
فکم حکمۃ منکم تلقفتھا و لم تستفد معشار ما قد افدتنی
و ما کنت اھلاً ان اجیزک انما دعوت فلیت اللہ اذ دعوتنی

''میں نے آپ کو اجازت دی ضرور ہے، لیکن آپ کی ہستی خود ایسی ہے، جو مجھے اجازت دے۔ اور آپ نے مجھ سے استفادہ نہیں کیا۔ بلکہ مجھ کو استفادہ کرایا ہے۔ علوم کے سلسلے میں آپ مجھے برابر سمجھتے ہیں۔ حال آں کہ برتر تو آپ ہی ہیں۔ میرا اور آپ کا درجہ برابر نہیں ہے۔ بلکہ ان سب میں آپ ہی آپ ہیں۔ اور آپ ہی میرے رہبر ہیں۔ کتنی اچھوتی اور منفرد حکمتیں میں نے آپ سے حاصل کیں۔ اور آپ نے جو فائدہ مجھے پہنچایا، اس کا دسواں حصہ بھی مجھ سے نہیں لیا۔ اور میں قطعاً اس کا اہل نہیں ہوں کہ میں

آپ کو اجازت دوں۔ لیکن چوں کہ آپ نے خود درخواست فرمائی ہے، (لہٰذا لکھ کر دے رہا ہوں۔) کاش کہ اللہ میری مدد کرتا۔ جس وقت آپ نے مجھ سے خواہش کی۔ (یعنی انھوں نے بطورِ خاکساری یہ فرمایا کہ: ''آپ جیسا عالم مجھ سے سوال کرے، حال آں کہ آپ تو مجھ سے بہت زیادہ وسیع علم رکھتے ہیں۔'')

سلاسل تصوف کی اجازت

اور خدا تعالیٰ کے اس حکم ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا'' (58:4) (اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کی اہلیت رکھنے والوں کو پہنچا دو۔) کے مطابق اُن سلاسل کثیرہ جیسے شطاریہ، سہروردیہ، کبرویہ، شاذلیہ، رفاعیہ، حدادیہ، مدنیہ وغیرہ کی اجازت حضرتِ اقدس کو عطا فرمائی، جو اُنھیں اپنے والدِ محترم شیخ ابراہیم کردی قدس سرہٗ سے ملی تھی۔ اور وہ اپنے زمانے کے مشہور صوفیا اور محدثین میں سے تھے۔ اور خِرقہ اور کُلاہ (پگڑی) منبر نبویؐ کے قریب آپ کے سرِاقدس پر باندھا۔

''المقدمة السَّنِيَّه في إنتصار الفرقة السُّنِّيه'' کی تصنیف

حضرت اقدس نے حضرت شیخ کی فرمائش پر ایک رسالہ ''فرقۂ مبتدعہ'' کے ردّ میں شیخ کے نام سے انتساب کر کے تصنیف فرمایا۔ اور اس کا نام ''المقدمة السَّنِيَّه في إنتصار الفرقة السُّنِّيه'' رکھا۔ اہلِ عرب اس کی فصاحت وبلاغت دیکھ کر بہت زیادہ تعجب کا اظہار کرتے تھے۔ شیخ نے اس رسالے کو کاتبِ حروف سے لکھوا کر اپنے پاس رکھا۔

شیخ ابوطاہر کردی نے ''القول الجمیل'' کی اجازت لی

اور دوسری تصنیف، جس کا نام ''القول الجميل في بيان سواء السبيل'' ہے، اور جس میں تصوف کے اذکار و اشغال اور طریقت کے تینوں سلسلوں، یعنی جیلانیہ، نقشبندیہ، چشتیہ کے فوائد ہیں۔ اور دیگر مشاہدات و اَسرار جو رسالت مآبؐ سے آپ نے استفاضہ کیے ہیں، تحریر کیے تھے۔ حضرت شیخ نے ان کو اپنے ہاتھ سے نقل فرما کر حضرتِ اقدس کے سامنے پڑھا۔

مکہ معظّمہ سے روانگی کے وقت شیخ طاہر کردی کا اندازِ محبت

جب حضرتِ اقدس رُخصت ہو کر مکہ معظّمہ کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت شیخ نے اپنے گھر سے نکل کر بہت دور تک آپ کی مشایعت اور اعزاز و اکرام کے لیے ساتھ چلے۔ اور شیخ کے صاحبزادے و دیگر عزیز و اقارب تین کوس تک آپ کی سواری کی رکاب تھامے ہم راہ رہے۔ اس دوران حضرتِ اقدس جہاں قیام فرماتے، وہ اپنے کپڑے حضرتِ اقدس کے قدموں پر ڈالتے۔ اور ان کو بطورِ تبرک اپنے پاس رکھ لیتے۔ اور حضرتِ اقدس سے رخصت ہوتے وقت آپ کے فیضِ صحبت سے محروم ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے تھے۔

www.rahimia.org

دوبارہ مکہ معظّمہ آمد اور ''فیوض الحرمین'' کی تصنیف

15 / شعبان 1144ھ (بمطابق 13 فروری 1732ء) کو مکہ معظّمہ پہنچے۔ اور عمرہ ادا فرمایا۔ اور ماہِ رمضان میں کئی عمرے ادا کیے۔ اور آخری عشرے میں کعبہ شریفہ کے سامنے مسجدِ حرام میں اعتکاف بیٹھے۔ اور جب تک آپ مکہ معظّمہ میں رہے، اس کرامت نظام مقام کے لوگ حضرت اقدس سے فیوضِ ظاہری و باطنی اخذ کرتے رہے۔

اسی جگہ پر ہی آپ نے ایک رسالہ ''فیوض الحرمین'' کے نام سے تصنیف فرمایا۔ اس میں وہ تمام حقائق و دقائق اور گہرے اَسرار، جو حرمین شریفین میں آپ پر ظاہر ہوئے تھے، بیان فرمائے ہیں۔ اگرچہ اس رسالے کے اکثر مضامین بہت بلندتر ہیں، کہ ہر شخص کے اِدراک، بلکہ اہلِ معرفت کے وجدان سے بھی بالاتر ہیں، مگر یہ فقیر اپنی ناقص فہم کے مطابق ان اَسرار کی تحقیقات کو چھوڑتے ہوئے بعض ایسے مشاہدات، جنھیں سمجھنا آسان بھی ہو، منتخب کر کے اس قصے کے آخر میں تحریر کرے گا۔ تاکہ اس کتاب کو پڑھنے والے کچھ ان اَسرار پر بھی مطلع ہو کر مشرّف ہوں۔

یہ دونوں رسالے ''القول الجميل في سواء السبيل'' اور ''المقدمة السَّنِيَّه في إنتصار الفرقة السُّنِّيه'' حرمین میں بہت زیادہ مشہور ہوئے۔ ان میں سے پہلا رسالہ مغربی ممالک اور بصرہ و مصر وغیرہ کے لوگ نقل کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ اور ان کی اجازت حاصل کی۔ اور دوسرا رسالہ ملک تاتار تک پہنچ گیا۔ جو روم کے اطراف میں ہے۔ اور فیوض الحرمین کا نسخہ بعض مخصوص احباب کو عنایت فرمایا۔

مکہ معظّمہ سے واپسی کا ارادہ اور والدہ ماجدہ کا انتقال

اس کے بعد دوسری مرتبہ حج ادا فرما کر اپنے معزز وطن کی جانب سفر کا پختہ ارادہ فرمایا۔ بیت اللہ میں قیام کے دوران کبھی کبھی اس فقیر سے فرماتے تھے کہ: ''جب بھی گھر کی جانب توجہ کرتا ہوں، تو ایک قسم کا غم و اندوہ اور گھریلو نظام کا منتشر ہونا، نظر آتا ہے۔'' پس چند ہی روز میں حضرت اقدس کی والدہ ماجدہ کی وفات کی خبر پہنچی۔ مکہ معظّمہ کے تمام بڑے بڑے لوگ تعزیت کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے الہام کی زبان سے بیان فرمایا کہ: ''جو غم اور تاریکی کی کیفیت مجھے محسوس ہوتی تھی، اس کا سبب یہی تھا۔''

حرمِ مکہ سے ''سورت'' کی بندرگاہ پر

واپسی کے وقت جس بحری جہاز پر سوار ہوئے، مخالف ہوا ہونے کے باوجود گزشتہ روانہ ہونے والے تمام جہازوں سے بھی بہت پہلے یہ جہاز 23 روز کے عرصے میں ''سورت'' کی مبارک بندرگاہ پر پہنچا۔ پس تمام تر برکت اور آسانی کے ساتھ وہاں پر تشریف فرما ہوئے۔ اور تھوڑا عرصہ وہاں قیام فرمایا۔ اور پھر دکن کے راستے سے وطن کی جانب کوچ فرمایا۔ اس سفر کے دوران جس جس شہر سے بھی گزرتے، اس شہر کے تمام علما و مشائخ میں سے ہر ایک

www.rahimia.org

آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور تعظیم وتکریم بجا لاتا۔

جب شہر ''گوالیار'' میں پہنچے، تو حضرت خواجہ خانو اور شیخ محمد غوث قدس اللہ سرہما کے مزارات کی زیارت کی۔ اور ہر ایک کی ''نسبت'' معلوم کر کے زبان مبارک سے بیان فرمائی۔ اور پھر مستقر خلافت ''اکبر آباد'' (آگرہ) میں امیر ابو علی کے مزار پُر اَسرار پر پہنچے۔ اور اس کی زیارت حاصل کی۔ اور ان کے اَحوال فیض اشتمال دریافت فرمائے۔ اور زبانِ غیب سے بیان کرتے ہوئے ان کا اظہار فرمایا۔

14/ رجب 1145ھ (بمطابق یکم جنوری 1733ء) کو خیر و خوبی کے ساتھ دار الخلافہ شاہ جہاں آباد (دہلی) میں شرفِ نزول فرمایا۔ اور اس وطن کے تمام لوگوں کو مشرف فرمایا۔

قطعہ تاریخ سفرِ حج

حج کی ادائیگی کے ارادے سے وطن سے روانہ ہونے اور واپس وطن لوٹنے کی تاریخ حضرتِ اقدس نے خود نظم فرمائی ہے۔ جو یہ ہے ؎

زدہلی بر آمد ولی بہر حج ۔۔۔ بہ ہشتم صباح از ربیع دویم
ہزار و صد و چہل و سہ سال بود ۔۔۔ کہ ایں داعیہ گشت بافعل ضم
ولی چوں پس از حج بہ دہلی رسید ۔۔۔ و سر آمد سفر ، منقطع گشت رنج
بہ تاریخ رابع عشر از رجب ۔۔۔ ز سال و ہزار و صد و چہل و پنج

''حج کے لیے ولی اللہ دہلی سے ربیع الثانی کی 8/ تاریخ کی صبح کو روانہ ہوئے۔ 1143 ہجری تھی۔ کہ اس حج کے داعیے (ارادے) نے عمل کی صورت اختیار کی۔ حج کے بعد ولی اللہ، دہلی پہنچے۔ سفر مکمل ہوا۔ اور تکالیف ختم ہوئیں۔ رجب کی 14/ تاریخ تھی۔ اور سال 1145 ہجری تھا۔''

اول (یعنی سفرِ حج پر جانے) کی تاریخ جو الہام کے وجدان کے ساتھ منعقد ہوئی اور حضرت اقدس کے چھوٹے بھائی شاہ اہل اللہ نے اس کو اس طرح نظم فرمایا ؎

بہ دل مے داشتم عمرے کہ در احرام حج کوشم ۔۔۔ بحمد اللہ والمنّۃ بداں مقصد ہم آغوشم
زہاتف سالِ تاریخ نخستیں طوف مے جستم ۔۔۔ قبلت منک طاعاتک رسید از غیب در گوشم

''میں ایک ایسا دل رکھتا ہوں کہ تمام عمر حج کا اِحرام باندھے رہوں۔ اللہ کے احسان اور اس کی حمد و ثنا ہے کہ میں اپنے اس مقصد سے ہم آغوش ہوا ہوں۔ ہاتفِ غیبی (غیبی آواز) نے واپس لوٹنے کی تاریخ یہ کہی ہے۔ ''قبلت منک طاعاتک'' (1143ھ) (میں نے تیری جانب سے کی گئی عبادت قبول کرلی۔) کی آواز غیب سے میرے کانوں نے سنی۔''

حوالہ جات وحواشی

1۔ عکس نسخہ القول الجلی فی ذکر آثار الولی، ص4،3، مطبوعہ شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی۔

2۔ یہ عربی زبان کا ایک مقولہ ہے۔ بغداد میں ایک نہر ''نہر عیسیٰ'' کے نام سے ہے۔ جس سے قرب و جوار کے دیہات کی زمینیں سیراب ہوتی ہیں۔ اور اس علاقے کی کاشت کاری کا دارو مدار اسی نہر پر ہوتا ہے۔ جب بڑی کثرت سے بارشیں ہوتیں اور دریائے دجلہ میں پانی بھر جاتا تو پھر زمینوں کو نہر عیسیٰ کے پانی کی ضرورت نہ رہتی۔ اس موقع پر یہ کہا جاتا ہے کہ ''جب اللہ کی نہر جاری ہوگئی تو نہر عیسیٰ کی ضرورت نہ رہی۔'' صوفیا کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آجائے تو تمام رکاوٹیں دور ہوجاتی ہیں۔

3۔ تفہیماتِ الٰہیہ، جلد دوم کی ''تفہیم فی مبشرت النبی الکریم'' نمبر247 میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''**مبشـرة(۲): بین أنا مراقب فی مسجد بلدة ''کھنبایت'' بعد العصر إذ شاھدت روحه الکریمه صلی الله علیه وسلم قد حضرت، فألبسنی ردائه، فظھر لی فی ذالک الحین بعض دقائق العلوم الشرعیة و لم تزل تتزاید حیناً بعد حینٍ.**''
(ترجمہ: خوش خبری (۲): اس حالت میں جب کہ میں عصر کے بعد کھنبایت شہر کی مسجد میں مراقبے کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا، کہ اچانک میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارکہ کے آنے کا مشاہدہ کیا۔ آپؐ نے مجھے اپنی چادر اوڑھائی۔ ایسی حالت میں مجھ پر علومِ شرعیہ کے بعض دقیق اور باریک مسائل ظاہر ہوئے۔ اور پھر وقتاً فوقتاً مسلسل مجھ پر ان علوم کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔) تفہیماتِ الٰہیہ، ص299، طبع شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس سال کی عمر سے ہی اس سفرِ حج کے موقع پر شاہ صاحبؒ پر علومِ ربانیہ کا القا شروع ہوجاتا ہے۔ اور خلعتِ حقانیہ کے نتیجے میں سچے علوم و افکار اور درست حکمتِ عملی سے متعلقہ امور آپؒ کے قلب و دماغ پر نازل ہونا شروع ہوگئے تھے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ 1143ھ کے سفرِ حج سے تقریباً سات سال پہلے ہی شاہ صاحبؒ اپنے علوم و افکار کی تجدید کے سفر پر گامزن ہوچکے تھے۔ جو لوگ اس سفرِ حج کو شاہ صاحبؒ کے علوم و افکار میں تجدیدی پہلو کی ابتدا کے طور پر دریافت کرتے ہیں، وہ مکمل طور پر درست نہیں ہیں۔

4۔ یہ حدیث بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ ہے: ''**لقد کان فی ما قبلکم من الأمم محدَّثون، فإن یک فی امتی احد، فإنه عمر. و زاد زکریا ابن ابی زائده عن سعد عن ابی سلمه عن ابی ھریرة ''لقد کان فی من کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر أن یکونوا أنبیاء.**'' حدیث نمبر3689، **کتاب فضائل أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم**، ص748، طبع بیروت، لبنان۔

5۔ اس سوال و جواب کا تعلق فقہ حنفی کے ماننے والوں کے متعلق حضرت غوث الاعظم کی ایک تحریر سے ہے۔ اس مقام پر مولانا محمد عاشق پھلتی نے وہ پوری تحریر نقل کی ہے۔ لیکن چوں کہ سفرنامے سے مناسبت نہیں رکھتی، نیز ایک مشکل اور پیچیدہ مسئلے سے تعلق رکھتی ہے، اس لیے اُسے یہاں چھوڑ دیا گیا ہے۔ تفصیلات کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ کیا جائے یا تفہیماتِ الٰہیہ، جلد نمبر1، تفہیم نمبر12، ص32 تا 37 (طبع شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد) میں ملاحظہ کیا جائے۔

www.rahimia.org

علمی لیکچر

سماجی تشکیل کے حوالے سے

عالم اسلام کو درپیش مسائل اور ان کا حل

جی سی یونیورسٹی لاہور میں منعقدہ ''نیشنل کانفرنس'' سے
مدیر اعلیٰ کا ایک علمی تحقیقی لیکچر

(جی سی یونیورسٹی لاہور کے ''سر فضل حسین ہال'' میں شعبۂ علومِ اسلامیہ کے طلبا کی مجلس علومِ اسلامیہ کی جانب سے مؤرخہ 17 مارچ 2010ء بروز بدھ کو ایک نیشنل کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ یہ کانفرنس ''مسلم تہذیب: چیلنجز اور ان کا حل'' کے عنوان سے مقالہ جات اور لیکچرز پیش کرنے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔ اس کانفرنس میں ممتاز پروفیسرز اور ڈاکٹرز حضرات نے اپنے مقالات اور لیکچرز پیش کیے۔ اس کانفرنس کی صدارت جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے کی۔ جب کہ صدر شعبہ علومِ اسلامیہ جی سی یونیورسٹی جناب ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس صاحب اور شعبہ علومِ اسلامیہ کے طلبا کی مجلس علومِ اسلامیہ کے انچارج ڈاکٹر فاروق حیدر صاحب کی کاوشوں سے یہ کانفرنس منعقد ہوئی۔

اس موقع پر ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) و مدیر اعلیٰ سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد نے ''سماجی تشکیل کے حوالے سے عالمِ اسلام کو درپیش مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان پر اپنا لیکچر پیش کیا۔ اور 30 منٹ کے مختصر وقت میں اس اہم موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ جب کہ دیگر لیکچر دینے والے حضرات میں ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی، ڈاکٹر سعد صدیقی کاندھلوی اور ڈاکٹر ابراہیم وغیرہ شامل تھے۔ ان حضرات نے اپنے اپنے موضوعات پر مقالات پیش کیے۔ اس موقع پر طلبا اور طالبات سے کانفرنس ہال بھرا ہوا تھا۔ آخر میں سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ طلبا و طالبات نے اس سے بھرپور استفادہ کیا۔ قارئین کے استفادے کے لیے مدیر اعلیٰ ''شعور و آگہی'' کا علمی لیکچر ضروری نوک پلک درست کرنے، عنوانات قائم کرنے اور حوالہ جات کے ساتھ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ مدیر)

www.rahimia.org

خطبہ مسنونہ!

نحمدهٗ ونصلي على رسوله الكريم أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحيم. قال الله تبارك و تعالىٰ: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (25:57) قال النبي صلى الله عليه وسلم: كانت بنوإسرائيل تسوسهم الأنبياء، كلما هلك نبي فخلفه نبي آخر، ألا! لانبي بعدى سيكونون بعدى خلفاء فيكثرون. وقال النبي صلى الله عليه وسلم: لايزال طائفة من أمتي قائمين على الحق، لايضرهم من خالفهم. صدق الله و صدق رسوله النبي الكريم.

صاحبِ صدر و معزز حاضرین!

موضوع کی اہمیت

آج کا موضوع اس حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ موجودہ دور میں سماجی تشکیل کے حوالے سے ہمیں بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے۔ قوموں کی زندگی میں معاشروں کی سماجی تشکیل کا عمل بڑی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس حوالے سے یہ بات بڑی ضروری قرار پاتی ہے کہ سب سے پہلے سماجی تشکیل کے بنیادی اصول ونظریات کا تعین کیا جائے۔ چناں چہ قوموں کی زندگی میں سب سے پہلے فکر و فلسفے کی اساس پر وحدتِ فکری کا موجود ہونا ضروری ہے۔ دوسرے مرحلے پر ان نظریات و افکار کی اساس پر کسی جغرافیائی حدود میں بسنے والے انسانوں کے اجتماعی اعمال کی شیرازہ بندی کی جاتی ہے۔ یعنی اس فکر کو عمل میں لانے کی درست حکمتِ عملی اختیار کی جاتی ہے۔ پھر تیسرے مرحلے پر اس فکر اور فلسفے پر مبنی عملی سیاسی اور معاشی نظام تشکیل دیا جاتا ہے۔

قوموں کی ترقی کا راز

دنیا میں ان قوموں نے ترقی کی ہے، جنھوں نے اپنی نظریاتی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی تشکیل کے لیے سب سے پہلے تو ایک سکول آف تھاٹ متعین کیا۔ یعنی اپنا فکر و فلسفہ اور نظریۂ حیات متعین کیا۔ اور پھر اسی فلسفے اور نظریے کی اساس پر انھوں نے اپنے لیے ایک سیاسی اور معاشی نظام تشکیل دیا۔ اور اسی کو پھیلانے کے لیے تعلیمی ادارے، نظم ونسق کا عمل اور سماجی نظام کی تشکیل کا عمل آگے بڑھایا۔

گرد و پیش کے معاشروں کی غور طلب حقیقت

ہم نے سب سے پہلے جن باتوں پر غور کرنا ہے، وہ یہ کہ ہمارے گرد و پیش موجود معاشروں کی بنیادی ساخت کس نوعیت کی ہے؟ عالمِ اسلام کن بنیادی مسائل سے دو چار ہے؟ اور ان مسائل کی سماجی تشکیل کے نقطۂ نگاہ سے

www.rahimia.org

نوعیت کیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے گرد و پیش اس وقت دنیا میں دو سکول آف تھاٹ پر مبنی نظام ہائے حیات کام کر رہے ہیں: ایک کیپٹل اِزم تو دوسرا سوشل اِزم۔ جن ممالک نے کیپٹل اِزم اختیار کیا ہے، انھوں نے سرمائے کی بنیاد پر اپنی جغرافیائی حدود میں بسنے والے افراد کی شیرازہ بندی کا ایک مکمل فلسفہ اور نظام قائم کیا۔ سرمائے کی بالادستی کی بنیاد پر انھوں نے اپنے سماجی ادارے تشکیل دیے اور عملی نظام بنائے۔ سیاسی، معاشی اور عدالتی نظام وضع کیے۔ اور ثقافتی اور تہذیبی سطح پر سرمائے کے فروغ کے لیے بہت سے ادارے بنائے۔

ان کے مقابلے پر دوسرے وہ ممالک ہیں، جنھوں نے سوشل اِزم اختیار کیا۔ انھوں نے محنت کشوں کی تنظیم کی اساس پر اپنی جغرافیائی حدود میں بسنے والے لوگوں کے لیے اپنے فکر و فلسفے پر مبنی ایک سماجی نظام قائم کیا۔ اور محنت کشوں کے تحفظ کے لیے ادارے تشکیل دیے۔ سیاسی، معاشی اور عدالتی نظام وضع کیے۔ الغرض ان دونوں مکتبہ ہائے فکر نے اپنے اپنے افکار و نظریات کی اساس پر اپنے اپنے معاشروں میں عملی نظام تشکیل دیے ہیں۔

عالم اسلام کے سامنے ایک اہم سوال

اس حوالے سے آج مسلمان معاشروں کی کیا حالت ہے؟ وہ مسلمان جو کہ دین اسلام کی تعلیمات کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں۔ کتابِ مقدس قرآن حکیم پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حضورؐ کی تعلیمات سے اپنی وابستگی کا اعلان کرتے ہیں۔ سوال یہ کہ ان کے پاس اس جدید دور میں سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل حل کرنے اور سماجی تشکیل کے حوالے سے دینی نقطۂ نگاہ سے بنیادی افکار و نظریات اور عملی نظامِ حیات کیا ہے؟ کیا جدید صنعتی دور کے پیداواری رشتوں کے تناظر میں دین اسلام سماجی تشکیل کے حوالے سے مکمل رہنمائی دیتا ہے؟

دنیا میں ایک دور وہ تھا، جو زراعت پر مبنی پیداواری رشتوں پر قائم تھا۔ جب کہ دوسرا تجارتی دور کہلاتا ہے۔ دین اسلام نے اپنے ابتدائی دور میں زرعی اور تجارتی پیداواری رشتوں کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اپنے لیے ایک عالم گیر عملی نظام تشکیل دیا تھا۔ جو تقریباً گیارہ سو سال تک دنیا میں غالب رہا۔ 610ء میں حضورؐ پر وحی نازل ہوئی۔ اور آپ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی۔ اور 1707ء میں اورنگ زیب عالم گیر کا انتقال ہوا۔ اس طرح یہ تقریباً گیارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بنتا ہے۔ اس پورے دور میں بلاشرکتِ غیرے یورپ، افریقہ اور ایشیا پر مسلمانوں نے اپنے نظام کو غالب رکھا۔ وہ چوں کہ زرعی اور تجارتی دور تھا تو اس وقت کے اعلیٰ دماغوں، حکمرانوں اور علم و فن سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اس دور کے تقاضوں کے تناظر میں معاشرے تشکیل دیے۔ اور انسانیت کی ترقی میں کردار ادا کیا۔ چناں چہ برعظیم ہندوستان، جو مسلمانوں کی آمد سے قبل غربت و افلاس اور بھوک کا شکار تھا۔ اس نے اتنی سماجی اور معاشی ترقی کی کہ خود برطانیہ کے باشندے اس کو ''سونے کی چڑیا'' کہنے پر مجبور تھے۔

آپ دیکھیں کہ ان دونوں ادوار میں دین اسلام نے انسانیت کے سامنے سماجی مسائل حل کرنے کا ایک عملی

www.rahimia.org

اجتماعی نظام دیا، لیکن سوال یہ کہ صنعتی دور آجانے کے بعد جب اس دور میں نئے سماجی تقاضے پیدا ہوئے اور پہلے دور سے قطعاً مختلف نئے پیداواری رشتے سامنے آئے تو کیا اس دور میں دین اسلام اِن نئے پیداواری رشتوں اور سماجی تقاضوں کو سامنے رکھ کر انسانی سماج کی تشکیل کے لیے کوئی بنیادی فکر اور نظریہ اور اس کے عملی سیاسی نظام اور اقتصادی نظام کو تشکیل دینے کی صلاحیت رکھتا ہے؟

عالم اسلام کو درپیش مسائل کا تجزیہ

اس اہم سوال کے تناظر میں اگر ہم عالمِ اسلام کو درپیش مسائل کا جائزہ لیں تو یہ بات بڑی کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ معاشرتی تشکیل کے نقطۂ نگاہ سے عالم اسلام میں افکار و نظریات، سیاسیات و اجتماعیات، اقتصادیات و معاشیات کے حوالے سے ایک بحران کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ نیز عملی نظام قائم کرنے کے حوالے سے بہت سے ابہامات اور مشکلات موجود ہیں۔ سماجی تشکیل کی حکمتِ عملی کا فقدان اس پر مستزاد ہے۔

1 ۔ نظریاتی اور فکری بحران

ہمیں سماجی تشکیل کے لیے ایک نظریے اور فکر کی ضرورت ہے، لیکن اس حوالے سے جب ہم عالمِ اسلام کا جائزہ لیتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک فکری اور نظریاتی بحران کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ مسلم معاشرے خواہ عرب ممالک کے ہوں یا دیگر ممالک کے، ان میں اس حوالے سے ایک انتہاپسندانہ سوچ اور نظریہ تو یہ ہے کہ سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل کو ''دنیاداری'' قرار دے کر دین کی تعلیمات سے الگ کر دیا گیا ہے۔ وہ دین کو صرف اس حد تک مانتے ہیں کہ دین کے کچھ عقائد اختیار کر لیے جائیں۔ اس کی کچھ رسوم ادا کر لی جائیں یا کچھ اعمال اور ادو وظائف کر لیے جائیں۔ سماجی تشکیل کے عملی مسائل کو دینی نقطۂ نگاہ سے حل کرنے کی سوچ کا فقدان پایا جاتا ہے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ ان معاشروں میں موجود جتنے فرقے ہیں، ہر فرقے کی رسومات اور اعمال و وظائف دوسرے سے مختلف ہیں۔ گویا کہ ہمارے معاشروں میں نہ صرف سیاست اور معیشت سے متعلقہ مسائل سے بے اعتنائی پائی جاتی ہے، بلکہ سطحیت کی بنا پر فرقہ وارانہ سوچ بھی بڑی گہری نوعیت لیے ہوئے ہے۔

فکری بحران کا مذہبی نقطۂ نظر

سماجی مسائل کے حل کرنے کے بنیادی پہلوؤں سے رُوگردانی اور مذہبی فرقہ بندی کا خطرناک نتیجہ گزشتہ پچیس تیس سال سے ہمارے مسلمان معاشروں میں اپنا اثر دکھا رہا ہے۔ وہ یہ کہ جب ہم نے سیاسیات و سماجیات کو دین سے خارج کر دیا اور معاشیات کے معاملات کو دین سے الگ کر دیا اور صرف عقائد یا مخصوص فرقے کے خیالات کو سامنے رکھا۔ تو اس سے مذہبی انتہاپسندی پیدا ہوئی۔ جس کا نتیجہ دہشت گردی اور قتل و غارت گری کی شکل میں

www.rahimia.org

ہمارے سامنے موجود ہے۔

اور پھر اگر ہمارے بعض مذہبی رہنماؤں نے معاشرتی تشکیل کے حوالے سے سیاست اور معیشت کی بات بھی کی تو زرعی اور تجارتی دور کی فقہی جزئیات کو سامنے رکھ کر گروہی اور طبقاتی بنیادوں پر اپنے خیالات و افکار کی دنیا بسائی۔ اور جدید صنعتی دور کے پیداواری رشتوں اور سیاسی تقاضوں کو سامنے رکھے بغیر سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل حل کرنے کا طریقۂ کار وضع کیا۔ اور یوں مذہب کو ان ملکوں میں موجود نوآبادیاتی دور کے نظام کا آلۂ کار بنا کر رکھ دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے مسلمان معاشروں سے جدید صنعتی دور کے تقاضوں کے تناظر میں سیاست اور معیشت پر مبنی مسائل کے حل کرنے کا شعور ختم ہوگیا۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ آج مسلمان نوجوان سماجی تشکیل کے دینی، سیاسی اور اقتصادی شعور سے بے گانہ ہوگیا ہے۔ سیاسی اور معاشی معاملات میں دینی افکار کو چھوڑ کر غلامی کے زمانے میں اغیار کی جانب سے پیدا کیے جانے والے فرقہ وارانہ اُمور میں مبتلا ہوگیا۔ اور اس کے نتیجے میں نظریاتی یکسوئی اور فکری وحدت سے محروم ہے۔

فکری بحران کا مادی نقطۂ نظر

دوسری طرف سیاست کے میدان میں ہمارے حکمران طبقات ہیں یا پھر وہ لوگ جو کہ صرف مادی نقطۂ نظر سے ترقی کی بات کرتے ہیں۔ یہ لوگ برطانوی سامراج کے زیرتسلط نوآبادیاتی دور کے تقاضوں کے مطابق تعلیم وتربیت کے مراحل سے گزرے اور اسی ذہنیت کے مطابق کام کرنے کی سوچ اور فکر رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی دین کا سیاست اور معیشت سے متعلق معاملات میں دخل دینا درست نہیں ہے۔ بلکہ ان کے طرزِعمل سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیاسیات اور معاشیات کا میدان محض مادی نقطۂ نظر سے مفادات کے حصول کے لیے ہوتا ہے۔ چوں کہ مادی نقطۂ نظر سے سرمائے اور جاگیر کی طاقت ہی اصل ہے۔ چناں چہ جاگیر اور سرمائے کی بنیاد پر اپنے مفادات حاصل کرنے کے علاوہ ان کی کوئی اور غرض نہیں۔ اس طرح ان کا اندازِ سیاست دینِ حق کی تعلیمات سے دور ہو کر آمریت اور چنگیزیت پیدا کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ اس طرح مسلمان معاشروں میں دو انتہاپسندانہ تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک مادیت پرستی اور مالی مفادات کے تقاضوں کے تحت کام کرنے والے لوگوں کا بنایا ہوا سیاسی، معاشی اور سماجی نظام ہے۔ خواہ وہ نظام ظلم وستم کا ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے مذہبی انتہاپسندی پر مبنی فرقہ ورانہ گروہیت کے تصورات وخیالات۔ یہ درحقیقت ہمارے ہاں نظریاتی بحران کا اظہار ہے۔

2۔ سیاسی شعور کا فقدان

دوسرا بحران یا مسئلہ جو کہ ہمارے مسلمان معاشروں میں پایا جاتا ہے، وہ سیاسی شعور کا فقدان ہے۔ کیوں کہ سیاسی شعور انسانی معاشروں کی تشکیل کے لیے ایک بنیادی قدر ہے، جس کی اساس پر معاشرے ترقی کرتے ہیں۔

www.rahimia.org

سیاست کے میدان کا اگر تجزیہ کریں تو وہ لوگ جو کہ سیاست کی بات بھی کرتے ہیں، ان میں بھی دو گروہ ہیں:

(الف) آمریت پر مبنی سیاسی تصورات

ایک گروہ وہ ہے جو کہ شخصی صوابدید کی اساس پر نظامِ حکومت اور سیاست کرنے کی بات کرتا ہے۔ چناں چہ یہ لوگ ''خلافت'' کے عنوان سے آمریت قائم کرنے کی بات کرتے ہیں۔ اور شخصی آمریت پر مبنی نظام بنانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اسلام میں ادارہ جاتی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک بادشاہ، اس کے خاندان اور ایک طبقاتی گروہ کا سیاست پر تسلط حاصل کرلینا گویا اسلامی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ ساٹھ کے قریب مسلمان ممالک کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں پر بادشاہتیں اور شخصی حکومتیں ہیں۔ اور جہاں پر جمہوریت کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے تو درحقیقت وہاں پر بھی سیاسی پارٹیاں چند خاندانوں کی لمیٹڈ کمپنیاں ہیں۔ اُنہی خاندانوں کے افراد ہی پارٹیوں کے سربراہ اور چیئرمین منتخب ہوکر ملک پر مسلط ہوجاتے ہیں۔ خواہ وہ فرد کتنی ہی چھوٹی عمر کا کیوں نہ ہو۔ وہی پارٹی اور حکومت کا سربراہ ہوگا، کیوں کہ وہ مخصوص خاندان کا فرد ہے۔ آپ دیکھیں کہ مسلمان معاشروں میں ادارہ جاتی بنیادوں پر نظام نہیں بنایا جاتا۔ محض چند بادشاہوں اور خاندانوں کے گرد سیاست اور حکومت کا نظام گھومتا رہتا ہے۔ یہ ہمارے معاشروں کی خطرناک بحرانی حالت ہے۔

(ب) جمہوریت کے لبادے میں سرمایہ دارانہ آمریت

ایک اور توجہ طلب بات یہ کہ جن ملکوں میں ''جمہوریت'' کے نام سے ادارے موجود ہیں تو ان میں بھی سرمایہ دار جاگیردار اور رسمی پیری مریدی کرنے والے مذہبی خانوادوں کے دباؤ پر ووٹ لیے جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ نوآبادیاتی دور کی سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ جمہوریت ہے۔ ایسی جمہوریت کے نام سے قائم اداروں میں بجائے اس کے کہ اجتماعی طور پر مسائل حل کرنے کا نظام قائم ہوتا، بلکہ اُلٹا جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ مفادات کے تحفظ اور ظلم وستم کی بنیاد پر سرمایہ دارانہ نظام کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ گویا کہ ''جمہوریت'' کے نام پر سرمایہ داریت کو مسلط کردینا یا ''خلافت'' کے نام پر آمریت کو معاشرے پر مسلط کردینا، یہ بحران کا اور پہلو ہے۔ جو کہ ہمارے معاشروں میں پایا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ہمارا عام نوجوان پریشانی کا شکار ہے کہ وہ کس طرف جائے؟ ''خلافت'' کے سیاسی نظام کی طرف جائے، جہاں آمریت کے نقصانات پائے جاتے ہیں یا نام نہاد جمہوریت پر مبنی سیاسی نظام کی طرف جائے، جہاں سرمایہ دار اور جاگیردار اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے قوانین بناتے ہیں۔ اور جو انسانیت کے حقیقی مسائل کو حل کرنے اور ان کی شیرازہ بندی کرنے سے قاصر ہے۔

اس حوالے سے ہمارے مذہبی طبقے کا کردار بڑا عجیب وغریب ہے۔ بعض مذہبی نمائندے اسی غلط سیاسی نظام کا حصہ بن کر کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور دین اسلام کے حقیقی تقاضوں کو بروئے کار لانے کے بجائے اس غلط سسٹم کی

خرابیوں سے مکمل طور پر آلودہ ہیں۔ جب کہ دوسرا مذہبی گروہ سیاست کو ''دنیاداری'' قرار دے کر اس سے علاحدگی اختیار کرنے کو اپنا مذہبی اعزاز سمجھتا ہے۔ اور دینی پاکیزگی کا دعوے دار بنتا ہے۔

3۔ اقتصادی اور معاشی بحران

تیسری بحرانی کیفیت جو کہ ہمارے مسلمان معاشروں میں پائی جاتی ہے، وہ اقتصادی اور معاشی حوالے سے ہے۔ اس حوالے سے بھی بہت سے غلط تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں، جو معاشی معاملات کو ''دنیا'' قرار دے کر اس سے علاحدگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں، جو سماجی زندگی کے معاشی معاملات کو جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نقطۂ نظر سے حل کرنے کی بات کرتے ہیں۔

(الف) سرمایہ داری اور جاگیرداری پر مبنی تصورات

معاشیات کے حوالے سے بعض لوگ وہ ہیں، جنھوں نے زمین کی ملکیت کے تقدس کو اتنی شدت کے ساتھ پیش کیا کہ جاگیرداری نظام کی سفاکیت کی یاد تازہ ہوگئی۔ اور سرمائے کی بالادستی کو قبول کر کے سرمایہ داری اور جاگیرداری کی اساس پر اقتصادی نظام قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اگر ہم ساٹھ مسلمان ممالک کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ دعوے دار تو ہم دین کی تعلیمات کے ہیں، لیکن اقتصادی اور معاشی نظام ہم نے جاگیرداری اور سرمایہ داری کا قائم کر رکھا ہے۔ جن کی تاریخ انسانی معاشروں میں برپا کیے جانے والے مظالم سے پُر ہے۔ چناں چہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام میں ''سرمائے'' اور جاگیر کو اصل قرار دے کر اس کے مفاد کے لیے ''انسانیت'' کو اس کے اردگرد گھمایا جاتا ہے۔ حال آں کہ دین اسلام کی تعلیمات تو اس بات کا درس دیتی ہیں کہ ''انسان'' کو اصل قرار دیا جائے اور سرمایہ اور زمین سمیت باقی تمام اشیا کو انسان کے فائدے اور نفع کے لیے استعمال کیا جائے۔

(ب) دینی معاشی نظام کے حوالے سے مذہبی رہنماؤں کا مخمصہ

معاشیات کے حوالے سے مذہبی رہنما ایک مخمصے کا شکار ہیں۔ وہ ایک طرف معاشی مسائل حل کرنے کے دعوے دار بھی ہیں، دوسری طرف معاشیات کے بنیادی اُمور —— یعنی پیدائشِ دولت کے اصول کیا ہیں؟ اور پیدا شدہ دولت کی تقسیم اور تبادلے کی اصول کیا ہیں؟ ان سب اصولوں کی بنیاد پر معاشی نظام کیا ہونا چاہیے؟ —— کے حوالے سے یہ مذہبی رہنما بہت زیادہ تقسیم کا شکار ہیں۔ حتیٰ کہ بعض مشہور مذہبی رہنما، یہ کہتے ہیں کہ ''اسلام کوئی معاشی نظام نہیں ہے۔ ...قرآن وحدیث نے کوئی معاشی فلسفہ یا نظریہ پیش نہیں کیا۔'' ان کا خیال ہے کہ دنیا میں نظام تو صرف دو ہی ہیں: ایک کیپٹل اِزم اور دوسرا سوشل اِزم۔ (1) گویا ہمیں ان میں سے کسی ایک کو مشرف باسلام بنانا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کیپٹل اِزم اور سوشل اِزم، جن کی عمریں ڈیڑھ دو سو سال سے زیادہ نہیں ہیں، ان کا تو ایک نظام موجود ہو اور وہ کتابِ مقدس قرآن حکیم اور دین کی تعلیمات کہ جس نے تقریباً ایک ہزار سال تک یورپ،

افریقہ اور پورے ایشیا پر حکمرانی کی ہے، اس کا کوئی اقتصادی نظام نہ ہو۔ اور وہ بغیر اقتصادی و معاشی نظام کے تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کے لیے خوش حالی پیدا کرنے کا باعث رہا ہو؟!! یہ کتنی افسوس ناک بات ہے۔

اس بحرانی حالت سے نکلنے کا راستہ اور سماجی مسائل کا حل

اس نظریاتی، سیاسی اور معاشی بحرانی کیفیت اور حالت سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم سماجی تشکیل کے بنیادی امور کے بارے میں دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں واضح اور دوٹوک نظریہ اور فکر، عملی سیاسی اور معاشی نظام کے قیام کے لیے صحیح حکمتِ عملی اختیار کریں۔ اس حوالے سے سماجی تشکیل کے درجِ ذیل تین بنیادی اُمور کے بارے میں دینی تعلیمات کے تناظر میں اپنا نقطۂ نظر واضح کریں۔ اور بنیادی لائن آف ایکشن طے کریں۔ یعنی:

1۔ سوسائٹی کی تشکیل کا فکر اور نظریہ کیا ہے؟

2۔ اس نظریے کی اساس پر اس کے سیاسی نظام کی نوعیت کیا ہے؟

3۔ اسی نظریے کی اساس پر اس کے معاشی نظام کے بنیادی امور کیا ہیں؟

کوئی بھی معاشرہ ان تینوں دائروں کے اساسی اُمور متعین کر کے ہی ترقی کرتا ہے۔

دینی نقطۂ نظر سے سماجی تشکیل کے اِن امور پر غور کی اہمیت

اب سوال یہ کہ دین کی تعلیمات ان تینوں امور کے بارے میں کیا ہیں؟ اس حوالے سے ہمیں سوچنا ہے۔ آج مسلمان نوجوان اس حوالے سے بڑا بے چین ہے۔ اس کے سامنے بہت سارے مسائل اور چیلنجز ہیں۔ آج کا نوجوان اس جدید دور میں پیش آمدہ مسائل کو دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کے حوالے سے بڑا فکر مند ہے۔ کیوں کہ نوجوان نے اس کا مشاہدہ کرلیا ہے کہ جن ممالک میں سرمایہ داری نظام موجود ہے، وہاں پر وہ انسانیت کے لیے تباہی اور بربادی پیدا کرنے کا باعث بنا ہے۔ اور جن ممالک میں سوشل اِزم قائم رہا، اس نے بھی انسانیت کے مسائل حل نہیں کیے، یوں مجموعی طور پر دنیا مسائل کا شکار ہے۔ اب وہ دین اسلام، جو قیامت تک کے لیے آیا ہے، اس کی روشنی میں سماجی تشکیل کے حوالے سے ہمیں کیا کردار ادا کرنا ہے؟

سماجی تشکیل کے حوالے سے انسانی فلاح و بہبود کا نظریہ اور فکر

جہاں تک سماجی تشکیل کے لیے ایک نظریہ اور فکر متعین کرنے کی بات ہے، تو اس حوالے سے دین اسلام کی تعلیمات انسانی معاشروں کی تشکیل کے لیے ''نوعِ انسانیت'' کو اصل قرار دیتی ہیں۔ کتابِ مقدس قرآن حکیم پوری انسانیت کے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے۔ اس کو ماننے والی جماعت صحابہ کرامؓ پوری انسانیت کو کام یاب بنانے کی فکر پر کام کرتی ہے۔ رسول اکرمؐ پوری انسانیت کے لیے رحمت ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ پوری انسانیت کا ربّ ہے۔ اس کا

www.rahimia.org

لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ انسانی سماج کی تشکیل کی بنیاد خود انسان اور اس کے انسانی تقاضے ہونے چاہئیں۔ خواہ وہ انسان کسی رنگ، علاقے یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اس طرح دیکھا جائے تو دین اسلام بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب انسانی تقاضوں کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ آج کی ضرورت یہ ہے کہ ہم فرقہ واریت اور گروہیت کے نظریے سے بالاتر ہو کر سماجی تشکیل کے لیے صرف انسانیت اور اس کے انسانی تقاضوں کو بنیاد بنائیں۔ انسانی مسائل حل کرنے کا طریقہ سوچیں۔

تضادِ فکر کا حل؛ نوعِ انسانیت کے بنیادی تقاضوں کی تفہیم

نوعِ انسانیت کی فلاح و بہبود کے نظریے کو اختیار کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بنیادی تقاضوں کی جامع تفہیم کی جائے۔ اور ان کی تکمیل کا عملی نظام تشکیل دیا جائے۔ اور اس حوالے سے ہمارے معاشرے میں جو تضادِ فکر پایا جاتا ہے، اس کو حل کیا جائے۔ کیوں کہ جب انسانیت کی بات کی جاتی ہے تو ایک گروہ کی سوچ یہ کہ انسان صرف روح کا نام ہے۔ حیوانی اور جسمانی تقاضے کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ اسے صرف اسی حوالے سے روح کی تکمیل کے اقدامات کرنے ہیں۔ جب کہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ انسان دراصل ایک حیوانی جسم ہے۔ اس کے حیوانی اور جسمانی تقاضوں کی بنیاد پر نظام تشکیل دینا چاہیے۔ اس تضادِ فکر کو بھی حل کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کا تقاضا یہ ہے کہ اس بات کو سمجھا جائے کہ مجموعی طور پر انسانیت کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کے جسم و روح کے بنیادی تقاضوں کو حل کرنے کا صحیح طریقۂ کار کیا ہے؟

انسانیت کے حوالے سے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر

اس حوالے سے برعظیم پاک و ہند کے عظیم مفکر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس حقیقت کی نشان دہی کی ہے کہ انسان نہ محض روح ہے اور نہ محض جسم اور حیوان بلکہ وہ روح اور جسم، یعنی ''ملکیت'' اور ''بہیمیت'' دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان دونوں کے مجموعے کی بنیاد پر انسانیت کی حقیقت اور اس کے تقاضوں کو سمجھا جانا چاہیے۔ نوعِ انسانیت کی فلاح و بہبود کا نظریہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مَلکی اور حیوانی تقاضوں کی مجموعی تکمیل کے حوالے سے ہی انسانی سماج کا نظام تشکیل پانا چاہیے۔

انسانی تقاضوں کی تکمیل کے اَخلاقِ اربعہ اور ارتفاقاتِ اربعہ

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دینِ اسلام کی تعلیمات اور ان کے عملی نظام پر مبنی ایک ہزار سال کی عظیم الشان تاریخ کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے اس بات کا تعین کیا کہ انسانی روح کی تکمیل کے لیے عبادات اور اَخلاقیات کے نظام کی ضرورت ہے۔ اور اس کے جسم اور حیوانی تقاضوں کی درست تکمیل کے لیے ارتفاقات کی ضرورت ہے۔

چناں چہ قرآنی تعلیمات کے مطابق انسانیت کے بنیادی اَخلاق چار ہیں۔ اور اس کی سماجی ترقی کے ارتفاقات بھی چار ہی ہیں۔ ان دونوں کے مجموعے سے نوعِ انسانیت کی صحیح سماجی تشکیل اور اس کی تکمیل ہوتی ہے۔

چناں چہ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تمام عبادات کا نتیجہ چار بنیادی اَخلاق کی صورت میں ظاہر ہونا چاہیے:

(۱) طہارت۔ (۲) اخبات الی اللہ۔ (۳) سماحتِ نفس۔ (۴) عدالت۔

اسی طرح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا کہنا ہے کہ انسان کے جسمانی اور سماجی تقاضوں کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ درجِ ذیل چار ارتفاقات کی بنیاد پر انسانی سماج قائم ہونا چاہیے:

(۱) ارتفاقِ اول: جس میں شخصی تعمیر و تہذیب کی تشکیل کی جائے۔

(۲) ارتفاقِ دوم: جس میں خاندانی اور فیملی نظام کی تہذیب و تشکیل کی جائے۔

(۳) ارتفاقِ سوم: جس میں قومی سطح پر سیاسی اور معاشی نظام کی تمدنی تشکیل کی جائے۔

(۴) ارتفاقِ چہارم: جہاں قوموں کے درمیان برابری کے اصول پر ان کا عالمی نظام تشکیل دینے کا عمل ہوتا ہے۔

اس طرح ان اَخلاقِ اربعہ اور ارتفاقاتِ اربعہ پر عمل درآمد کی صورت میں انسانیت کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ اگر ان بنیادوں پر معاشروں کی تشکیل کا عمل کریں تو اس بحرانی کیفیت سے نکل سکتے ہیں، جس میں آج ہم مبتلا ہیں۔(2)

دینی تعلیمات کی اساس پر سیاسی نظام کی تشکیل کے امور

اسی طرح اگر ہم دینی نقطۂ نگاہ سے سیاسی نظام تشکیل دینا چاہتے ہیں تو ہمارے سامنے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی وہ بات ہونی چاہیے جو کہ آپ نے سیاسی تشکیل کے حوالے سے سرمایہ داری اور سوشل ازم سے بہت پہلے فرمائی کہ ''إجتماع من عقلاء القوم و مبرزیھم'' (3) یعنی اجتماعی سطح پر نظامِ حکومت قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قوم کے عقل مند، منتخب اور مؤثر افراد کی اجتماعیت، ان کی پارلیمنٹ، ان کا ادارہ جاتی کردار ہمارے لیے سسٹم تشکیل دے۔ سرمایہ اور جاگیر کے دباؤ سے ہٹ کر اسی بنیاد پر 'مقنّنہ' وجود میں لائی جائے۔ اور اسی کی اساس پر 'انتظامیہ' کی تشکیل کی جائے۔ اور پھر اسی بنیاد پر اس سسٹم پر چیک رکھنے کے لیے 'عدلیہ' کا منصفانہ نظام قائم کیا جائے۔ قومی سطح پر سیاسی نظام کی عملی تشکیل کے لیے یہ امور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اُمور پر عمل درآمد کے لیے انفرادی طریقۂ کار کی بجائے ادارہ جاتی نظام کو اہمیت دی جائے۔

دینی تعلیمات کی اساس پر معاشی نظام کے بنیادی اُمور

اسی طرح دینی تعلیمات کے حوالے سے اقتصادی میدان میں اس بات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ اقتصادی نظام کے ذریعے بغیر کسی تفریق کے پوری انسانیت کے لیے خوش حالی ہو۔ چناں چہ اسی بنیاد پر معاشی نظام کے قیام کے لیے کردار ادا کیا جائے۔ کسی خطے میں موجود وسائلِ معاش کے بنیادی حقائق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دین اسلام کی

www.rahmia.org

اساس پر معاشیات سے متعلقہ اُمور کے بارے میں صحیح فکر و عمل اختیار کرنا چاہیے۔ اس تناظر میں قرآنی اصولِ معاشیات کے حوالے سے حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے درجِ ذیل بنیادی اُمور کا تعین کیا ہے(4):

1۔ **حق معیشت میں مساوات:** یعنی کسی قوم کے تمام بنیادی وسائل معاش سے تمام لوگوں کو استفادے کا یکساں حق اور موقع ملنا چاہیے۔ اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تفریق نہ کی جائے۔

2۔ **درجاتِ معیشت میں فطری تفاوت:** یعنی جب وسائل معاش میں کسی قوم کے تمام افراد یکساں استفادے کا حق استعمال کریں گے تو ان کی ذہنی اور عملی صلاحیتوں کے فرق کی وجہ سے پیدا شدہ دولت کے استعمال کے حقوق میں فطری تفاوت ہوسکتا ہے۔ اس طرح درجاتِ معیشت میں ایک حد تک تفاوت ممکن ہے۔ لیکن درجاتِ معیشت کا یہ فرق فطری دائرے میں رہنا ضروری ہے۔ طبقات کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔

3۔ **احتکار و اکتناز کی مکمل طور پر ممانعت:** یعنی پیدا شدہ دولت، زر کی شکل میں ہو یا اَجناس کی شکل میں، اس کا کسی ایک مخصوص طبقے کے پاس اس طرح جمع ہوجانا کہ وہ دوسرے طبقات کے نقصان کا باعث ہو، قطعاً درست نہیں۔ کیوں کہ زر اور اجناس کا ایک جگہ ذخیرہ ہوجانا اور اس کا مخصوص طبقات میں گردش کرتے رہنا، بڑا خطرناک عمل ہے۔ اس کے نتیجے میں دولت کی گردش ایک مخصوص طبقے میں رہتی ہے۔ جو درست نہیں۔

4۔ **محنت اور سرمائے میں عادلانہ توازن:** یعنی انسانی محنت اور سرمائے کے درمیان عادلانہ توازن قائم کیا جائے۔ نہ تو سرمائے کو اتنی بالادستی اور جبر واستحصال کی طاقت حاصل ہو کہ وہ محنتوں کے معاوضوں کو ہڑپ کرجائے۔ اور انسانی محنت کی توہین و تذلیل کرے۔ اور نہ ہی سرمائے کی تعاونی حیثیت کو قطعاً نظر انداز کردیا جائے۔ بلکہ سرمایہ اور محنت کے درمیان ایسا تعاونِ باہمی قائم کیا جائے، جس سے مجموعی قومی پیداوار میں اضافہ ہو۔ اور جو مجموعی طور پر انسانیت کے فائدے کے لیے کردار ادا کرے۔

سماجی تشکیل کے ان اُمور کی دینی اہمیت

دینی تعلیمات کے حوالے سے یہ وہ بنیادیں ہیں، جن کی اساس پر ہم سماجی تشکیل کے بنیادی اُمور کو نظریاتی اور فکری وحدت پیدا کرنے کے لیے اپنے پیش نظر رکھ سکتے ہیں۔ یوں ہم سیاسی اور معاشی حوالے سے عملی نظام کی تشکیل کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ فکر و نظریہ اور سیاسی و معاشی نظام پر مبنی سماجی تشکیل کے ان تین اُمور کی نشان دہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جسے امام بخاری نے حضرت عمار ابن یاسرؓ سے روایت کیا ہے(5):

''ثلٰث من جمعهنّ فقد جمع الإيمان'' تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی معاشرے کے افراد میں پائی جائیں تو

انھوں نے کامل ایمان حاصل کرلیا:

1۔ **الإنصاف من نفسک**: یعنی تیرے نفس سے عدل و انصاف کا نظریہ اور فکر ظاہر ہونا چاہیے۔

2۔ **بـذل السلام للعالم**: یعنی پورے عالمِ انسانیت کے لیے سلامتی اور امن کا نظام قائم کرنے کے لیے اپنی جان تک قربان کردینا۔ گویا پُر امن سیاسی نظام قائم کرنے کی جدوجہد کرنا۔

3۔ **الإنـفـاق من الإقتار**: یعنی وسائل معاش کم ہونے کے باوجود ان کو آپس میں مل کر کھانا اور معاشرے کی معاشی احتیاجات اور اس کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کا نظام قائم کرنا۔

تو گویا کہ ہمارا نظریہ عدل و انصاف کا، سیاسی نظام امن وسکون کا اور معاشی نظام وسائل معاش کو مل بانٹ کر استعمال کرنے اور باہمی خوش حالی کی بنیاد پر ہو تو ہمارے تمام سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ ہمارے نوجوان ان اُمور پر تبادلۂ خیال کریں۔ سوالات قائم کریں تو بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

اختتامیہ

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس آخری دور میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تک تمام اسلاف نے دینی اُمور کی اساس پر انسانی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ آج کے نوجوان اِن کی فکر کا مطالعہ کریں۔ ان سے رہنمائی لیں۔ اور اس کی اساس پر اپنے معاشروں میں جدوجہد اور کوشش کریں۔ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) کا بنیادی مقصد یہی ہے۔ اور اس کے بانی حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی گزشتہ پچاس سال سے اکابر کے انہی نظریات پر کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے نوجوان سے مایوسی ختم ہو اور درست حکمتِ عملی کی بنیاد پر اپنے آپ کو منظم کریں تاکہ معاشرے میں مثبت کردار ادا کرسکیں۔ آمین

حوالہ جات وحواشی

1۔ اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص38، طبع کراچی۔ مصنف نے اپنی اس کتاب میں سرمایہ داری اور سوشل اِزم کے لیے تو ''نظام'' کا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن اسلام کی معاشی تعلیمات کے لیے ''معاشی نظام'' کا لفظ تک بھی استعمال نہیں کیا۔ حال آں کہ دنیا میں کوئی معاشی تعلیمات بغیر کسی نظام کے پورے طور پر رُوبعمل نہیں آتیں۔ اسی لیے برصغیر میں علمائے ہند کے نمائندہ اور محقق عالم حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے ''اسلام کا اقتصادی نظام'' کے نام سے کتاب لکھی۔ اور اسلام کے اقتصادی نظام کو بہترین انداز میں واضح بھی کیا۔

2۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے حجۃ اللہ البالغہ، المبحث الاول، الثالث اور الرابع از امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔

3۔ البدور البازغہ، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ص94، طبع شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، سندھ۔

4۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے اسلام کا اقتصادی نظام از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

5۔ رواہ البخاری، فی ترجمۃ الباب ''باب افشاء السلام من الاسلام'' تعلیقاً عن عمار ابن یاسر و رواہ احمد فی مسندہ مرفوعاً۔

شعور کی اہمیت اور تقاضے

تحریر: محمد یوسف ولی اللّٰہی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ اور ایک معینہ مدت تک کے لیے قبولِ حق کی قوت اور استعداد کے ساتھ، کائنات کی امانت اُس کی سپرد کی، تاکہ وہ اس دنیا میں اجتماعیت قائم کرکے ہر شعبۂ زندگی میں ظلم واستحصال کا خاتمہ کرے۔ اور عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ تشکیل دے ___ لیکن انسان جو فطرتِ سلیم پر پیدا کیا گیا ہے، نظام، ماحول اور مذہب سے بہت زیادہ متأثر ہوتا ہے۔ فاسد نظام، ماحول اور مسخ شدہ مذہب انسان کی فطرتِ سلیم کو گہنا دیتا ہے۔ نتیجتاً معاشرہ زوال کا شکار ہوکر ظلم و جور کی آماجگاہ بن جاتا ہے ___ اس صورتِ حال میں اگر انسان کے شیشۂ دل اور آئینۂ دماغ کو غلط نظریات سے صاف کر کے صحیح اور درست نظریات میں نکھار پیدا کرکے دیا جائے۔ قلبی بصیرت اور ضمیر و وِجدان میں بیداری کی لہر پیدا ہوجائے تو داخلی وخارجی اثرات کے غلط اور دبیز پردے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور انسان کا وہ فطری شعور و وجدان بیدار ہوجاتا ہے، جو ابتداءً ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاتفریق ودیعت کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد اعمال وافعال میں فطری حالت کا مظاہرہ ہونے لگا ہے۔ اور انسان فاسد نظام و ماحول اور مسخ شدہ مذہب کی تباہ کاریوں سے بچ جاتا ہے۔ اور معاشرے کو ظلم و ناانصافی کی بجائے عدل وانصاف پر قائم کرکے غلبہ وعروج سے ہم کنار کرسکتا ہے۔

شعور ایسی صحیح اور سلیم فراست وسوجھ بوجھ ہوتی ہے، جو معیشت و معاشرت، باہمی معاملات اور سیاساتِ مدن کی جزئیات کو احاطہ کرتی ہے۔ اور صحیح کو فاسد، اور غیر صحیح اور ذو معنی سے تمیز کرسکے۔ نیز ان مصلحتوں کا بھی ادراک کرسکے، جو اَخذ و استنباط اور تلاش وتفحصِ حق کے لیے ضروری ہیں۔ تاکہ کسی بھی مسئلے کی تہہ تک رسائی ہوسکے۔ گویا شعور نفسِ انسانی کا وہ حصہ ہے، جو انسان کے تمام خیالات و جذبات کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اور انسان کو ادراک و تصرفات اور سوچنے سمجھنے کے قابل بناتا ہے۔

شعور اور عقل وخرد کا پہلا زینہ معرفت ہے: ''**من عرف نفسه فقد عرفه ربّه**'' ۔معرفت سے عزتِ نفس، وسعتِ نظر، شجاعت، اُمید، قناعت و استغنا، انکساری، توکل، ضبط وعمل، جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا جو لوگ حجابات (عیوب) نفس کو دور کرکے لطیفۂ عقلیہ (شعور) کو طاقت ور بناتے لیتے ہیں، ان کو حضرت الامام شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں ''**راسخین فی العلم**'' کہا جاتا ہے۔(1)

www.rahimia.org

ارشادِ ربانی ہے کہ: وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (269:2) یعنی جس کو حکمت (شعور) کی دولت مل گئی تو (سمجھو) کہ بڑی دولت مل گئی۔ حقائقِ اشیا کی معرفت، یعنی علم اور عقل کے ذریعے سچی اور صحیح بات تک پہنچنا حکمت ہے۔

''شعور کا تعلق عقل وخرد سے بھی ہے اور قلب سے بھی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (179:7) ان کے پاس دل ہیں، جو سمجھتے نہیں۔ قلب سے متعلقہ شعور، فراست، کشف اور الہام پر مبنی ہوتا ہے۔ فراست، شعور کا وہ ابتدائی درجہ ہے، جس کے ذریعے انسان بعض ظاہری علامتوں کو دیکھ کر صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا ہے۔ کشف، شعور کا وہ درجہ ہے، جس میں حسبِ مراتب ان کے احوال و دیگر حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ اور الہام، شعور کا وہ مقام ہے، جس میں غیبی ذریعے سے خودبخود علوم کا القا ہوتا ہے۔'' (2)

حضرت الامام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ:

''دقیق ترین علم، جو اپنے معانی میں سب سے عمیق، نورِ ہدایت میں سب سے افضل ہے، وہ اَسرارِ دین (حکمتِ دین) کا علم ہے، جس کی مدد سے احکامِ دین کی حکمت معلوم ہو۔ ان کی حقیقت کا پتہ چلے۔ اور دینی اعمال کے خواص اور ان کے نکات کو سمجھا جائے۔ خدا کی قسم یہ ہے وہ علم، جس میں دوسرے سب علوم سے زیادہ آدمی اپنے قیمتی وقت کو صرف کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن اطاعتوں کو ہم پر فرض کیا ہے، ان کو ادا کرنے کے بعد اس علم کی تحصیل کو اپنی آخرت کے لیے زادِراہ بنائے۔'' (3)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صاحبِ فضیلت بنایا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (70:17) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (4:95) یعنی انسانی شرف وفضیلت اور اس کی بزرگی و برتری وضاحتاً بیان کی گئی ہے، لیکن انسان اور حیوان میں تمیز کرنے والی اور انسان کو صاحبِ فضیلت بنانے والی چیز شعور وآگہی ہے۔ یہی چیز انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ شعور، حکمت، بصیرت، ایسی قوت کا نام ہے کہ جس کے ذریعے انسان معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے۔ اور مسئلے کے بھید اور اس کے انجام کو اس طرح سے پالے کہ ہر اُلجھی گتھی سلجھ جائے۔ (4)

آج ہر طرف عیاری و مکاری اور شعبدہ بازی کے ذریعے قیامتوں کے نت نئے سامان تیار ہو رہے ہیں۔ ہر شعبدہ باز کے ہاتھ میں عوام الناس کی نکیل ہے۔ وہ جس طرف چاہتا ہے، لوگوں کو ہانک کر لے جاتا ہے —— فرعون نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا، لیکن آج کی فرعونی ذہنیت اپنی عیاری و مکاری اور شیطنت میں اس سے بھی بڑھ گئی ہے۔ اور وہ موسیٰ علیہ السلام ہونے کی دعوے دار ہے ——

میں شمع سر طور کا رکھوالا ہوں
میں چشم زمانہ کا ید بیضا ہوں

www.rahimia.org

یہ دور کچھ ایسا ہے کہ لاکھوں ڈھب سے
فرعون یہ کہتا ہے کہ میں موسیٰ ہوں

ان حالات میں اصل حقائق تک پہنچنے کے لیے شعور کی پختگی اور نظریے کی بلندی کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ حق اور باطل کی آمیزش میں سے حق کی پہچان، غیر ضروری کی جگہ ضروری اور اچھی چیزوں کے درمیان ترجیحات کا تعین کیا جاسکے۔ اور ماحول و پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر شعور کی بنیاد پر اور اعتماد کے ساتھ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کون سی چیز چھوڑی جائے۔ اور کون سی چیز اختیار کی جائے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ: ''**فقیہ واحد اشداء علی الف عبدون**'' یعنی ایک صاحبِ حکمت وشعور، ہزار عابدوں پر بھاری ہے۔

حریت و آزادی کے جذبے اور فکر وشعور کی بلندی کے ذریعے ہی کوئی معاشرہ زندہ رہنے کی سعی و کوشش کرتا ہے۔ جسے تنازع للبقا کہا جاتا ہے۔ اس کشمکش میں صرف اُسی کو ابدیت نصیب ہوتی ہے، جو ''**بسطة فی العلم والجسم**'' (علم میں زیادہ اور جسمانی طاقت میں مضبوط) ہو۔ اولیت بہرحال **بسطة فی العلم** کو حاصل ہے۔ **بسطة فی العلم** میں کسی خاص قسم کا اصطلاحی علم مراد نہیں ہے، بلکہ کام اور مقام کی مناسبت سے ذہانت وفراست اور فہم وتدبر کی استعداد مراد ہے۔ اور **بسطة فی الجسم** سے مراد معروضی حالات اور تقاضوں کے مطابق قوت و طاقت کا حصول ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ ''**تفقّهوا قبل أن تسوّدوا**'' کہ سرداری سے پہلے سمجھ حاصل کرو! (5) یعنی قوت و طاقت کے حصول سے پہلے مروجہ دور کی اور حالات و زمانے کی رعایت سے متعلقہ علم میں بدرجہ اتم بلند شعور اور حکمتِ کماحقہ رموز و اَسرار سے آشنائی ضروری ہے۔

عدمِ شعور، کوتاہ فہمی سے حریت و آزادی قائم نہیں رہتی۔ معاشرہ غلامی کا شکار ہوجاتا ہے۔ اپنی قوم سے غداری اور ملت فروشی کا ارتکاب عام ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے حقوق کی نگہداشت اور حریت و آزادی کی حفاظت کا خیال ہی دل سے نکل جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ احساسِ زیاں ہی جاتا رہتا ہے۔ ہر قسم کے ظلم و جور، جبر واستبداد اور ناانصافی کو معاشرے کا مجموعی ذہن برداشت کیے جاتا ہے۔ نتیجتاً ذلت و مسکنت اور غلامی، اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ قرآن اسی کو ''ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ'' (112:3) اور ''تَذْهَبَ رِيحُكُمْ'' (46:8) کہتا ہے۔ غلامی کے اثرات معاشروں پر بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی لعنت ہے کہ اس کے اندھیرے انسان کو اُبھرنے اور نکھرنے نہیں دیتے۔ غلامی، قوموں کی ترقی وعروج کو کھا جاتا ہے۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اِک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی

غلامی میں قوموں کا مجموعی سیاسی شعور ختم ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے قومیں اقتصادی تباہی، بھوک و افلاس اور سماجی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتی ہیں:

www.rahnuma.org

آزاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات

کوتاہ بینی کی وجہ سے سماجی مصلحت و ناعاقبت اندیشی اور ایثار و قربانی کے فقدان جیسے امراض کا شکار ہوکر اَخلاقِ حسنہ سے عاری اور فسق و فجور میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ منافقت و بدعہدی، بزدلی وسست ہمتی اور سستی و کاہلی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ عدمِ شعور کی وجہ سے قوائے عقلی مفلوج ہوجاتے ہیں۔ یاس وقنوطیت کی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ توکل اور تقدیر کے غلط مفاہیم رواج پاتے ہیں۔ ذہنوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ روشن اور کھلی ہوئی باتوں کا بھی انکار کردیا جاتا ہے۔ قلب وذہن کے ادراک کی ساری قوتیں نہ صرف بے کار ہوجاتی ہیں، بلکہ ختم ہوکر رہ جاتی ہیں۔ قوتِ استنباط ختم ہوجاتی ہے۔ اور تقلیدی جمود پیدا ہوجاتا ہے۔ حق وصداقت کو قبول کرنے کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ عمل کی جگہ تمنائیں اور آرزوئیں جنم لے لیتی ہیں۔ عزم و یقین ختم ہوجاتا ہے۔ جب کہ ع غلامی سے بہتر بے یقینی؟ احساسِ کمتری در آتی ہے۔ طبیعت طرح طرح کے اوہام و خیالات کا مجموعہ بن جاتی ہیں۔ ترقی کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ بلند پروازی اور اولوالعزمی کے چشمے خشک ہوجاتے ہیں۔ عافیت کوشی، مصلحت پسندی، سخن طرازی اور حیلہ سازی جزوِ زندگی بن جاتے ہیں۔ لہٰذا حقوق کے تحفظ، قیام و بقا کی جدوجہد اور قومی عزت و ناموس کے جذبات سے عاری ہوجاتے ہیں —— ظاہر و باطن میں ہم آہنگی نہیں رہتی۔ خودفریبی اور ذات کا اُلجھاؤ پیدا ہوجاتا ہے۔ حبِ جاہ و مال و دلوں میں گھر کرلیتے ہیں۔ دین داری کی محض نمائش، جس میں فروعی اور رسمی باتوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ قومی و جماعتی شعار کی بجائے ذاتی اغراض کے لیے مرغوبات و مفادات میں اُلجھ جاتے ہیں۔ اللہ سے زیادہ انسانوں کا خوف مسلط ہوجاتا ہے۔ اور مزاحمت و مدافعت کی طاقت سلب ہوجاتی ہے۔

قساوتِ قلبی پیدا ہوجاتی ہے۔ فرقہ پرستی اور گروہیت کے غلبے سے تشتّت و افتراق پیدا ہوجاتا ہے۔ تفرقہ و انتشار، شعور کی موت کی سب سے بڑی علامت ہے۔ مذہب کے نام پر ایسی ایسی باتیں ایجاد کی جاتی ہیں، جس سے باہمی ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہوجاتی ہے۔ مذہب کو ذریعہ معاش بناتے ہوئے مذہب کی اصولی و بنیادی باتوں کو نظرانداز کرنے، فروعی مسائل میں جھگڑنے سے کہنہ خیالی و فرسودگی کو جنم دیتی ہے۔ اسی فرقہ واریت اور مذہبی گروہیت کے سبب مذہب کا مذہب سے تصادم نظر آتا ہے۔ جسے مفاد کا مفاد سے تصادم کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ مذہب کو تو صرف بطورِ آلہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مروجہ مذہب اپنی اصل شکل چھوڑ کر زندگی سے گریز کی تعلیم دے رہا ہوتا ہے۔ اس میں افادیت و صلاحیت موجود نہیں رہتی۔ یوں مذہب جمود کی نذر ہوکر نہایت تنگ دائرے میں محدود ہوکر رہ گیا جاتا ہے، بلکہ مغلوب ہوچکا ہے۔ اور بڑی آسانی کے ساتھ فاسد نظام کا آلہ کار بن چکا ہوتا ہے۔ اسی مذہب کی آڑ میں ہر بوسیدہ نظام اور ظلم و استحصال پر مبنی تمدن اور اس کا حامل غاصب طبقہ پناہ لیتا ہے۔ اور مذہب کا نام لے کر عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کی راہ میں روڑے اَٹکاتا ہے۔

www.rahimia.org

جب کہ حقیقی مذہب (اسلام) ایک ایسا دین فطرت ہے، جس کا اطلاق و نفاذ کرکے ہر دور کے معروضی حالات کے مطابق ایک منصفانہ اور عادلانہ نظام پر مبنی معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ دین اسلام کا اصل سرچشمۂ حیات قرآن حکیم ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کا روشن ضمیری اور بیدار مغزی کے ساتھ مطالعہ اور اس میں غور و فکر اور حصولِ بصیرت و شعور کے بعد انسانیت کو موجودہ خلفشار سے نکال کر ظلم و استبداد کے نظام سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ۝ (2:12) کہ ہم نے قرآن عربی زبان میں اُتارا، تاکہ تم اس سے عقل (و شعور) سیکھو۔

آج کے دور کا معروضی تقاضا علمی انداز سے سوچنا اور سمجھنا ہے۔ لہٰذا اسلام کی حقیقت علمی اور شعوری طور پر واضح کرنا ہوگی، لیکن یاد رہے کہ سیاسی درماندگی، معاشرتی پس ماندگی اور معاشی بدحالی میں شعور آسانی سے پروان نہیں چڑھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ سماج کو غلامی کی لعنت سے نجات دلانے اور اسے دیوِ استبداد کے چنگل سے چھڑانے اور ایک فکر و نظریے کی بنیاد پر قومی نظام کی تشکیل و تعمیر کا شعور اور ولولہ و جوشِ عمل کارفرما کرنے کے لیے انتہائی کٹھن اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، کیوں کہ

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم گر
پھر سُلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

برصغیر ہند میں 1857ء کی جنگِ آزادی کے سانحۂ شکست کا ردِعمل تین صورتوں میں ہوا:

1 صبر و سکون کی تلاش میں ماضی کے سہارے جینے کی خواہش۔

2۔ سطحی ذریعوں مثلاً شعر و ادب اور چنگ و رُباب سے خوشی و مسرت کی تلاش اور کھوئی ہوئی عظمتوں کو بھول جانے کی کوشش۔

3۔ ظلم کے آگے سر نہ جھکانا اور غلامی کا طوق گلے سے اُتارنے کے لیے جہدِ مسلسل۔

اس دور کے آزادی پسند رہنماؤں کی جگمگاتی کہکشاں، جو تاریخ کی زیب و زینت ہے، نے حرف و سخن سے نہیں، بلکہ عملاً جد و جہدِ آزادی میں کلیدی کردار ادا کرکے کاروانِ آزادی کو حسبِ استطاعت آگے بڑھایا۔ اور اس راہ میں غیر متزلزل اور راسخ جذبے کے ساتھ ناقابلِ فنا عشق و مستی میں ڈوبے ہوئے کارہائے نمایاں ہماری تاریخ کی متاعِ عزیز ہیں۔ بقولِ اختر شیرانی

عشق و آزادی بہارِ زیست کا سامان ہے
عشق میری جان، آزادی میرا ایمان ہے
عشق پر فدا کردوں میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

www.rahimia.org

برصغیر پاک و ہند کی ذہانت سے بھرپور اور زرخیز زمین نے گزشتہ ادوار میں علوم وفنون کے اندر جو تازگی پیدا کی۔ اور بہت سے باکمال عالم اور محقق بصورتِ لعل شب چراغ جگمگائے۔ جنھوں نے اپنی علمی وعملی اور جدوجہد پر مبنی کاوشوں سے اس گنج گراں مایہ کو مزید شان دار اور بھرپور بنایا۔ ان میں اسرارِ دین کے بحرالعلوم حضرت الامام شاہ ولی اللہؒ کے شارح، برصغیر کی ماضی قریب میں شریعت، طریقت اور سیاست کی جامع، بہت سی قدرآور شخصیات میں قطب العالم حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نوراللہ مرقدہما کی تیار کردہ جماعت ِحقہ کے اہم ترین رکن، منفرد اور ممتاز مقام کے حامل، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کا نامِ نامی اور اسم گرامی نہایت ہی نمایاں ہوکر تاریخ کے اوراق پر اُبھرا۔ جنھوں نے حضرت الامام شاہ ولی اللہؒ کے پُرمغز علوم کو اس طرح بیان کیا کہ اس کی تہہ میں تمام فلسفیانہ اسرار، سیاسی نکات، مذہبی و روحانی اور اجتماعی مباحث کماحقہ اُجاگر ہوجاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنی ساری زندگی اور توجہ قرآن حکیم، حدیث، فقہ، احکامِ دین، اسرارِ دین، تصوف، سیاست و معاشرت و معاشیات اور دیگر علوم، شاہ ولی اللہؒ کی فلاسفی کے ذریعے بیان کرنے میں صرف کردی۔ انھوں نے احکام کے موقع محل کو دیکھا۔ شریعت کے طریق نفاذ کو سمجھا۔ اور فکرِ ولی اللّٰہی سے استفادہ کیا۔ ان سے بڑھ کر شاید ہی کوئی مزاج شناسِ فلسفۂ ولی اللّٰہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ فلسفۂ ولی اللّٰہی میں معیار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ حضرت سندھیؒ کے علم وفضل، بیدار مغزی، فہم وذکا اور سیاسی و معاشی حکمتِ عملی پر مبنی افکار ونظریات پڑھ کر دل و دماغ کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔ مادیت زدہ اور فرقہ پرستانہ جہالت کی حبس زدہ فضاؤں میں دین و دانش کا ابرِ گوہر بار برسنے لگتا ہے۔ وہ علم کے سمندر سے ایسے گوہرِ آب دار ڈھونڈ لاتے ہیں، جن کی آب وتاب پر وقت کے اخفا نے دبیز پردے ڈال دیے تھے۔

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ: ''مولانا سندھیؒ کی بات (عام ذہن کے لیے) سمجھنی دشوار ضرور تھی، مگر بات صحیح کہتے تھے۔'' (6) حضرت سندھیؒ نہ صرف شریعت کے متبحر عالم دین تھے، بلکہ تصوف وطریقت میں بھی سچے ولی کامل تھے۔ اور آپ حظیرۃ القدس سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے اولیائے کرام اور صلحائے کام کو صرف خوارقِ عادات سے پہچانا جاتا ہے۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ شریعت کے سانچے میں ڈھل کر پوری زندگی گزار دینا ہی ان کی سب سے بڑی کرامت ہے۔ جو کردار سے عبارت ہوتی ہے۔ قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ: ''تصوف، فقاہت کا نام ہے، یعنی تفقہ فی الدین۔ دینی سمجھ، تفقہ، نام ہے اُس کامل ترین عقل وفہم کا، جس کے ذریعے صحیح وغلط، صواب وخطا، حق و باطل اور خیروشر کے درمیان تمیز و فیصلہ نہ صرف بذریعہ غوروفکر، دلیل و برہان اور تجربہ واستقرا ہی نہیں، بلکہ بعض اوقات منکشفانہ طور پر بھی ہوجاتا ہے۔ من عرف اللّٰہ لایخفٰی علیه شیء، جس نے خدا کو پہچانا، اُس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں رہ سکتی۔ یعنی عارف جب اشیا کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ اس پر ظاہر ہوجاتی ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ سیاسیات واقتصادیات میں ''امامِ انقلاب'' تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی مروجہ سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ سیاست واقتصادیات کے مکروفریب اور داؤ پیچ کو سمجھتے ہوئے عدل وانصاف پر مبنی معاشرے کے قیام، یعنی قرآنی سیاست اور اس کے معاشی نظام کے غلبے کے لیے انقلابی حکمتِ عملی اور طریق کار واضح کرنے کے لیے وقف کیے رکھی۔ اور زندگی کا ایک لمحہ بھی اس ضمن میں فروگزاشت نہیں فرمایا۔ مولانا سندھیؒ وہ نابغہ روزگار شخصیت ہیں، جنھوں نے اپنی زندگی کے شب و روز اپنے لیے نہیں، بلکہ ملتِ اسلامیہ، خصوصاً برصغیر ہند کے عوام کے لیے وقف کیے رکھے۔ وہ اپنے عزم وارادے کی بلندی وپختگی کے ساتھ جب مقصد کے سفر پر روانہ ہوئے تو ان گنت مشکلات ان کی راہ میں حائل ہوئیں، لیکن انھوں نے آلام ومصائب کے پہاڑوں کو اپنا راستہ بنانے کے لیے اپنی بلندحوصلگی و ہمت کے پیروں کی ٹھوکر سے اُڑا کر رکھ دیا۔ زمانے کی تاریکی راہ میں حائل ہوئی تو انھوں نے اپنی روشن دماغی سے روشنی حاصل کی۔ آسمانوں کی بلندی، ان کی جست کی زد میں رہی۔ وہ پتھروں کے دل چیرتے اور سمندروں کو کھنگالتے ہوئے ساحلِ مقصود کی طرف رواں دواں رہے۔ وہ موت کو زندگی سمجھ کر یوں لڑے کہ

ع.... ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اپنوں اور غیروں کی ہر قسم کی مخالفتوں کے باوجود انھوں نے بہار وخزاں کے تمام موسموں کو اپنے لیے یکساں خیال کیا۔ دنیوی جاہ وجلال کے حامل اور مغرور لوگ ان کے سامنے ہمیشہ سرو قد عاجز رہے۔ ان کے ماتھے کی ایک شکن اور بل سامراجی قوتوں کی پیشانی پر ہزاروں بل ڈال دیتا رہا۔

اگرچہ ایسے علوالمرتبت افراد بہت کم پیدا ہوتے ہیں، لیکن تاریخ انسانی میں ایسی مثالیں بہرحال موجود ہیں۔ اور ایسی شخصیات ملتی ہیں، جو مستقبل کی تاریخ نویسی کے لیے مؤرخ کو اپنے علم وعمل سے ممنونِ احسان کرجاتی ہیں۔ تاہم اس کے لیے

عمرہا در کعبہ و بت خانہ مے نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حضرت شیخ الہندؒ نے 1915ء میں مولانا سندھیؒ کو ایک اہم تاریخی مشن پر کابل بھیجا تھا۔ جہاں سات سال تک برصغیر کی آزادی کے لیے آپؒ نے انتھک جدوجہد فرمائی۔ اس کے بعد روس، ترکی اور حجازِ مقدس جا کر دنیا میں ہونے والی سماجی اور انقلابی تبدیلیوں کا بغور مطالعہ کیا۔ حجازِ مقدس میں تقریباً 12 سال تک قیام رہا۔ جہاں انھوں نے اپنے تجربات وخیالات وافکار کو مجتمع فرما کر انھیں از سرنو مرتب کیا۔ جس کے لیے انھوں نے قرآن وحدیث سے رہنمائی لی۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے متعین کردہ اصول وفلاسفی سمجھی۔ اور اس کے قیام کی جامع حکمتِ عملی سے آگہی حاصل کی۔ اور امام شاہ ولی اللہؒ کے زاویۂ فکر پر اپنے افکار ونظریات کی بنیاد رکھی۔ چوبیس سالہ جلاوطنی کے بعد 1939ء میں اپنے افکار ونظریات کے ابلاغ کے لیے واپس ہندوستان تشریف لائے۔ آپؒ نے فرداً فرداً لوگوں سے

www.rahimia.org

ملاقات کی۔ مضامین لکھے۔ اجتماعات میں تقاریر کیں۔ نوجوانوں کو پکڑ پکڑ کر اپنی بات سمجھاتے۔ درس و تدریس کے لیے مختلف ادارے اور درس گاہیں قائم کیں ـــــ بے سرو سامانی کا یہ عالم کہ بارہا فاقوں کی نوبت آئی۔ اور پیدل اسفار کیے، کیوں کہ آپؒ مخلوقِ خدا کی علمی رہنمائی کے لیے ایک ہی جگہ بیٹھ کر کام کرنے کی بجائے مسلسل اسفار میں رہے۔ اور انتہائی درجے کی جدوجہد کی۔ آپؒ کی ساری زندگی اِک جہدِ مسلسل رہی۔ اس میں ایک طرف اگر نجی زندگی اور خانگی تنگ سامانیوں کا دباؤ تھا تو دوسری طرف زمانے کے ہوش رُبا روح فرسا صدمات کی بھرمار تھی۔ ملتِ اسلامیہ کی ڈگمگاتی کشتی اور واقعاتِ عالم کی ہول ناک موجوں کا منظّم سیلاب بھی آپ کے سامنے تھا۔ ایسے میں انھوں نے جابجا فرمایا کہ:

''میں جو کچھ تم سے کہنا چاہتا ہوں، اُسے غور سے سنو! میں نے اپنی زندگی کے چوبیس برس ہندوستان سے باہر گزارے ہیں۔ اس طویل مدت میں مَیں نے محض ملکوں کی سیاحت نہیں کی۔ اور چیزوں کو صرف ایک تماشائی کی حیثیت سے نہیں دیکھا، بلکہ بڑی بڑی مہموں میں خود شریک رہا ہوں۔''

ـــــ ''میرا یہ مطالعہ سرسری نہیں ہے۔ اور میری باتوں کو تم وقتی تأثرات اور عارضی ہیجانات کا نتیجہ نہ سمجھنا۔ میرے پیچھے تجربات اور مشاہدات کی ایک وسیع دنیا ہے۔ اور میں نے اقوام کی تاریخ کی گہرائیوں میں جانے کی کوشش کی ہے۔ میرے حالات مجھ سے کرید کرید کر پوچھو! اور میرے نتائج کو توجہ سے سنو! اور ان پر غور کرو! میں کوئی بات تم سے چھپانا نہیں چاہتا۔ میرا علم، میرا مطالعہ، میرے تجربات اور میرے افکار وقفِ عام ہیں۔'' ـــــ ''میری آنکھوں نے زندگی کے بڑے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ میرے سامنے بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہوئیں۔ میں نے پرانے تمدنوں کی بنیادوں کو اپنی نظر سے کھدتے دیکھا۔ میں نے انسانی نسلوں کو فنا ہوتے، بستیوں کو اُجڑتے، تمدنوں کو مٹتے اور مذہب و اہلِ مذہب کو بڑی سفاکی سے کچلے جاتے دیکھا ہے۔

(اس پس منظر میں) میں نے اپنے افکار کو، جتنی بھی تاریخ میں جانتا تھا، اس کی کسوٹی پر کسا۔ خود اپنے تجربات کی روشنی میں ان کی صوابدید کی۔ اور جو کچھ علم دین، حکمت اور تقویٰ مجھے میسر تھا اور اپنے مرشدوں اور استادوں کے فیض سے جو بھی بصیرت عطا ہوئی تھی، اپنے افکار کو ان کے روبرو پیش کر کے اپنے نفس کا بھی محاسبہ کیا۔ اور ان افکار کا بھی پورا پورا جائزہ لیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، جسے ہندوستان کے مسلمانوں کے اہلِ علم کا بہت بڑا طبقہ اپنا امام اور استاد مانتا ہے، ان ایسے عظیم المرتبت عالم، حکیم، محدث، مجتہد اور خدا شناس بزرگ کے علم وحکمت کے ترازو میں مَیں نے اپنے افکار کو تولا۔ اور جب ان فکار کے باصواب (درست) ہونے پر پورا یقین حاصل ہوگیا اور اس یقین نے کچھ کرنے اور فکر کو عمل میں لانے پر مجبور کر دیا تو میں نے وطن واپس آنے کا تہیہ کرلیا۔ اگر ایسا نہ

www.rahimia.org

کرتا تو جو کچھ میرے دل و دماغ میں تھا، اُسے میں ایک سربستہ راز کی طرح اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا، جن تک خدا معلوم میں کن جسمانی مشقتوں، دماغی کاوشوں اور جان کاہیوں کے بعد پہنچا تھا۔'' (8)

مولانا سندھیؒ کی ذاتِ گرامی ان علمائے سلف کی یاد دلاتی ہے، جن کی زندگی کا ہر لمحہ عالم انسانیت کو ظلم و جبر کے نظام سے نجات دلانے اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کے لیے عملی جدوجہد میں گزرا ____ اوضاع و اطوار میں آپؒ بزرگانِ سلف کا نمونہ تھے۔ اور آپؒ کی تمام تر تعلیم و تربیت قدیم ماحول میں ہوئی تھی، لیکن ان کے دل و دماغ میں بڑی وسعت تھی۔ وہ جدید خیالات و رُجحانات اور اس کے طور طریقوں سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ لہٰذا ایک لحاظ سے وہ قدیم و جدید کا سنگم تھے۔ بلکہ انھوں نے کھلے ذہن کے ساتھ نئی چیزوں کو ''خذ ماصفا و دع ماکدر'' کے تحت قبول بھی کیا۔ اور برداشت بھی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انقلاب کے نئے آثار اور نتائج سے بے خبر نہیں تھے۔ اور وہ غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی تکالیف سے رنجیدہ اور سرمایہ داروں کی بے رحمیوں سے ملول بھی تھے۔ لہٰذا انھوں نے بڑے واضح انداز میں فرمایا کہ:

''ایسے دینی فلسفے کو اختیار کرو، جس کے ذریعے تم خدا کو مانتے ہوئے خدا کی مظلوم مخلوق کو خوش حال بنا سکو۔ انسانیت اب زیادہ دیر تک ظلم نہیں سہہ سکتی۔ اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے۔'' (9)

وہ مزید فرماتے ہیں کہ:

☆ خدا پرستی کی عملی شکل انسان دوستی ہے۔ یہی اصل دین ہے۔
☆ قرآنی فکر و نظریہ سرمایہ شکنی اور خدا پرستی پر مبنی ہے۔ اور قرآن کا انقلاب سرمایہ پرستانہ ذہنیت کے خلاف ہے۔ لہٰذا قرآن میں معین کی گئی غیر متبدل خواص و اقدار پر عمل کر کے معاشرے کو انسانی اصولوں پر ترقی سے ہم کنار کیا جا سکتا ہے۔
☆ فرد کی صالحیت کمزور مسکین لوگوں کی خبر گیری پر منحصر ہے۔
☆ قرآن کا مقصد عالم گیر انقلاب برپا کرنا تھا۔ اور آج بھی قرآن کے ماننے والوں کا فرض ہے کہ وہ اپنا نصب العین قرآن کے اسی عالم گیر انقلاب کو بنائیں۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکارِ عالیہ کی روشنی میں ایک کتاب ''شعور و آگہی'' ترتیب دی گئی ہے۔ جو کہ دینی، سیاسی، معاشرتی، معاشی و دیگر شعبہ ہائے زندگی کے لیے فہم و بصیرت اور غور و فکر کے نئے زاویے پیش کرتی ہے۔ جس سے دورِ حاضر کے سلگتے ہوئے اجتماعی مسائل پر جمود و تنگ نظریت کے بند دروازوں کو کھولنے کے لیے عقل و شعور پیدا کرنے میں بڑای مدد ملتی ہے۔

بلاشبہ حضرت سندھیؒ نے اپنے خزانۂ اسرار و رموز سے معمور گنجینۂ سینہ کو عام کرنے اور ہر ذی شعور تک پہنچانے کے لیے حد درجہ تگ و دو فرمائی۔ جان جوکھوں میں کاٹی، جگہ جگہ مارے مارے پھرے اور کوڑی کوڑی کے محتاج

www.rahimia.org

ہوئے، لیکن اپنے وقار و تمکنت پر آنچ نہ آنے دی۔ اور انتہائی قابل رشک انداز میں اپنی زندگی گزاری۔ اپنے فکر و عمل کی انقلابی قوتوں کو بے راہ رو نہ ہونے دیا۔ وہ جانتے تھے کہ:

''انقلاب ایک فرسودہ نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ ایک بہتر اور زیادہ مفید نظام کو برسر کار لانے کا نام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پُرانے نظام کی تخریب، اگر آسان بھی ہو، لیکن نئے نظام کی تعمیر اور اس نظام کو چلانے والوں کی تربیت میں ایک عرصہ لگتا ہے۔'' (10)

لائق حد تحسین انتہائی مبارک باد کے مستحق ہیں وہ جملہ احباب، جنھوں نے شعور و آگہی کے فروغ کے لیے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے۔ کافی عرصے سے یہ کتاب بارہا چھپتی رہی۔ لیکن اب ''رحیمیہ مطبوعات'' کی جانب سے اس کی خوب صورت اور بہترین انداز میں اشاعت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس موجودہ ایڈیشن کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ ہر مقالے کے آخر میں کتب کے حوالہ جات اور ضروری مقامات پر حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ادارہ رحیمیہ کی مجلس انتظامیہ مبارک باد کی مستحق ہے۔ کہ اس نے اتنی خوب صورت کتاب بہترین انداز میں طبع کر کے نوجوانانِ ملت کی خدمت میں پیش کی ہے۔ اُمید ہے کہ ملک وقوم کے نوجوان شعور کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کے لیے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

حوالہ جات

1۔ مولانا محمد تقی امینیؒ، تہذیب کی جدید تشکیل، لاہور، مکی دارالکتب، 1996ء، ص 109۔
2۔ ایضاً، ص 115-116۔
3۔ پروفیسر محمد سرورؒ، مقدمہ خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ، لاہور، سندھ ساگر اکادمی، 1970ء، ص 31۔
4۔ مولانا محمد تقی امینیؒ، عروج و زوال کا الٰہی نظام، لاہور، مکی دارالکتب، ص 49-51۔
5۔ مولانا محمد تقی امینیؒ، احکامِ شرعیہ حالات و زمانہ کی رعایت، لاہور، الفیصل، ص 271۔
6۔ مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ، ارشادات قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، لاہور، مکتبہ رشیدیہ، 1995ء، ص 34-35۔
7۔ ایضاً، ص، 131۔
8۔ مقدمہ خطبات و مقالات، ص 10-11-12-13، (تلخیص)۔
9۔ ایضاً، ص 18۔
10۔ ایضاً، ص 39۔

آرا و تأثرات

گرامی نامہ

NATIONAL UNIVERSITY
of Computer & Emerging Sciences
A.K Brohi Road H-11/4, Iaslamabad, Pakistan

www.rahimia.org

محترم جناب مفتی عبدالخالق آزاد صاحب مدیر اعلیٰ مجلّہ ''شعور وآ گہی'' لاہور
ومعزز اراکین مجلس ادارت سہ ماہی ''شعور وآ گہی'' لاہور السلام علیکم

(1) سہ ماہی شمارہ ''شعور وآ گہی'' لاہور (جولائی تا ستمبر 2010ء) کو تحقیقی وتنقیدی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں بڑی شدت کے ساتھ احساس بیدار ہوا کہ مجموعی طور پر یہ مجلّہ اپنے Original First hand information کے لحاظ سے علمی وتحقیقی میدان میں اپنی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

(2) زیر نظر شمارے کے تینوں مقالہ جات اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں:

(الف) پہلا مقالہ ''سرگزشتِ حیاتِ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ (3)'' گزشتہ دو قسطوں کی طرح تیسری قسط کا بھی ترجمہ وتحقیق مفتی عبدالخالق آزاد صاحب نے آسان مگر Comprehensive انداز میں پیش کیا ہے۔ جس میں برعظیم کی قومی و بین الاقوامی تحریکاتِ آزادی کی گزشتہ تین صدیوں کی سمجھ اور اصل روح کو امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی ترجمانی کرتے ہوئے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق باشعور افراد تک منتقل کرنے کی قابل ستائش کاوش کی ہے۔ جس کا اکثر اہل علم اور دانش ور اِدراک نہیں رکھتے۔ اور فرقہ واریت کا شکار ہو کر حقیقی سمجھ اور شعور کھو بیٹھے ہیں۔

(ب) دوسرا مقالہ ''تحریکِ خلافت'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں پروفیسر ڈاکٹر علیمی صاحب نے خلافت کی ضرورت و اہمیت، خلافت کا پس منظر اور تحریکِ خلافت کے اسباب ومحرکات کا لحہ بہ لحہ مطالعہ کرتے ہوئے پیش آمدہ دشواریوں اور کامیابیوں کا ذکر کیا ہے۔

اس کے ساتھ تحریکِ ہجرت کا پس منظر اور اس کے اثرات ذکر کرنے کے بعد ''ترکِ موالات'' کا مفہوم

اور اس کی عملی صورتوں کی نشان دہی کی ہے۔ اگر چہ فاضل مقالہ نگار نے ''ترکِ موالات'' کے اسباب میں جن مذہبی اصطلاحات کا انتخاب کیا ہے، احقر کے خیال میں اگر انھیں عصر حاضر کی زبان میں ڈھال دیتے تو اس کی افادیت مزید بڑھ جاتی۔ لیکن پھر بھی یہ کاوش قابل قدر ہے۔

(ج) تیسرا مقالہ ''ایشیا کی عہد ساز قیادت: شیخ الہندؒ اور روحِ عصر (2)'' جس میں محترم مولانا محمد ناصر صاحب نے شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسن) کا مختصر تعارف، ملی و سیاسی جدوجہد کا خاکہ، تحریکِ شیخ الہندؒ کے دونوں ادوار کے درمیان مطابقت واضح کی ہے۔ نیز یہ حقیقت بیان کی ہے کہ شیخ الہندؒ اور آپ کی جماعت اپنے دونوں ادوار کی جدوجہد اصل میں ایک مذہبی فریضے کے طور پر انجام دے رہی ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ علما کا اصل کردار انسانی معاشروں کی آزادی و حریت اور سماجی تشکیل کے حوالے سے اپنی قومی اور دینی ذمہ داریوں کو نبھانا ہوتا ہے۔

اس مقالے کی دوسری قابل رشک بات یہ ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے شیخ الہندؒ کے تیسرے دور کے دوسرے حصے کو تاریخی، مذہبی اور سائنٹیفک انداز سے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری اور آپ کی جماعت کے مختلف مراحل (جمیعت طلبائے اسلام اور تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی) کے ساتھ منسلک کیا ہے۔

(3) میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجلّے کے سرپرست، مجلس ادارت، فاضل مقالہ نگاروں اور ان سے وابستہ افراد کی فکری و عملی جدوجہد قبول فرمائے۔

حافظ محمد طیب ندیم
اسسٹنٹ پروفیسر
فاسٹ نیشنل یونیورسٹی آف کمپیوٹر اینڈ ایمرجنگ سائنسز
اسلام آباد

مؤرخہ: 09 ستمبر 2010ء

www.rahimia.org

سماجی تشکیل کے لیے انسانی فلاح و بہبود کا نظریہ اور فکر

''جہاں تک سماجی تشکیل کے لیے ایک نظریہ اور فکر متعین کرنے کی بات ہے، تو اس حوالے سے دین اسلام کی تعلیمات انسانی معاشروں کی تشکیل کے لیے ''نوعِ انسانیت'' کو اصل قرار دیتی ہیں۔ کتابِ مقدس قرآن حکیم پوری انسانیت کے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے۔ اس کو ماننے والی جماعت صحابہ کرامؓ پوری انسانیت کو کام یاب بنانے کی فکر پر کام کرتی ہے۔ رسول اکرمؐ پوری انسانیت کے لیے رحمت ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ پوری انسانیت کا ربّ ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ انسانی سماج کی تشکیل کی بنیاد خود انسان اور اس کے انسانی تقاضے ہونے چاہئیں۔ خواہ وہ انسان کسی رنگ، علاقے یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اس طرح دیکھا جائے تو دین اسلام بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب انسانی تقاضوں کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ آج کی ضرورت یہ ہے کہ ہم فرقہ واریت اور گروہیت کے نظریے سے بالاتر ہوکر سماجی تشکیل کے لیے صرف انسانیت اور اس کے انسانی تقاضوں کو بنیاد بنائیں۔ انسانی مسائل حل کرنے کا طریقہ سوچیں۔''

(سماجی تشکیل کے حوالے سے عالم اسلام کو درپیش مسائل اور ان کا حل، صفحہ 104)

www.rahimia.org

QUARTERLY
Shauor o Aaghi
Lahore

OCTOBER-DECEMBER 2010 Issue # 4 Vol. # 2 Regd.# 370-S

www.rahimia.org

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ، شاہراہِ فاطمہ جناح، لاہور